عمر ابوالنصر

میری لائبریری

الہارون

بادشاہوں کے بادشاہ
ہارون الرشید کے حالات

میری لائبریری میں دوسری بار

قیمت : 2.25

32

میری لائبریری

میری لائبریری میں دوسری بار

قیمت : 2.25

مجلد : 5.00

مسلمان حکمرانوں میں جو شہرت 'ھارون الرشید' اس کے عہد اور اس عہد کی شخصیتوں کو حاصل ہے ، اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ جہاں ھارون ، الف لیلیٰ کی رنگین داستان کا درخشاں کردار ہے وھاں : تدبر ، اولوالعزمی ، علم دوستی اور غریب نوازی کے لحاظ سے تاریخ عالم کا ایک سنہری باب ہے ۔

مشرق اور مغربی تاریخ دان ہمیشہ سے اس بلند شان شہنشاہ کے بارے میں رطب اللسان رہے ھیں۔ لیکن اردو میں 'ھارون الرشید' اور اس کے عہد کی جامع تاریخ آج تک نہیں لکھی گئی۔

عمر ابو النصر کی یہ تصنیف بیان اور ترتیب کے لحاظ سے الف لیلیٰ کی طرح دلچسپ ہے اور اپنے مواد کی صحت اور نظر کی دور رسی کے لحاظ سے تاریخ نویسی کا نیا معیار قائم کرتی ہے۔

الہارون

میری لائبریری کی دیگر کتب

تاریخ و سوانح

- ابوبکر صدیق اکبر ۵/۰
- عمر فاروق اعظم ۱۰/۰
- دس بڑے مسلمان ۴/۵۰
- خالد سیف اللہ ۲/۵۰
- المامون ۲/۵۰
- الہارون ۲/۰۰
- ابوذر غفاری ۲/۰
- سلطان محمد فاتح ۱/۵۰
- الحسین ۱/۵۰
- رابعہ بصری ۱/۵۰
- امیر معاویہ ۱/۲۵
- عمر بن عبدالعزیز ۱/۲۵
- امام زین العابدین ۱/۲۵
- الزہرا ۱/۰
- تذکرہ ۳/۷۵
- قلوپطرہ ۳/۷۵
- روپ متی ۲/۵۰
- سلطانی محلوں کے راز ۳/۷۵
- شیخ عبدالقادر جیلانی ۱/۲۵
- ۳۹ بڑے آدمی ۳/۷۵
- مانیں نہ مانیں ۲/۵۰

ادب

- ادب کا تنقیدی مطالعہ ۲/۲۵
- پنجابی ادب کی مختصر تاریخ ۳/۰
- شخصیت نگاری ۵/۰
- تنقیدی مضامین ۳/۰
- غبار خاطر ۳/۷۵
- دیوان غالب (فارسی) ۸/۰
- دیوان غالب (اردو) ۲/۰
- لذت آوارگی ۳/۰
- انتخاب غالب ۰/۵۰
- دیوان آتش ۱/۵۰

عملی نفسیات

- جینے کی اہمیت ۴/۵۰
- میٹھے بول میں جادو ہے ۳/۵۰
- پریشان ہونا چھوڑ دیجیے ۳/۵۰
- گفتگو اور تقریر کا فن ۲/۵۰
- جنس کا نفسیاتی پہلو ۳/۰
- جنس کا جسمانی پہلو ۲/۵۰
- زندگی کے موڑ پہ ۲/۲۵
- شادی اور کامیابی ۲/۲۵
- روزمرہ نفسیات ۲/۰
- زندگی اور عمل ۱/۵۰
- نفسیات کی روشنی ۱/۵۰
- ترقی کی راہیں ۲/۰
- ہماری عادتیں ہمارے جذبات ۱/۰
- دولت نامہ ۲/۵۰

طنز و مزاح

- بہترین انشائی ادب ۵/۵
- حماقتیں ۳/۵۰
- مزید حماقتیں ۳/۷۵
- پرواز ۱/۷۵
- لہریں ۱/۰
- چراغ تلے ۱/۵۰
- گرما گرم (لطیفے) ۱/۵۰
- ڈھول کا پول (کارٹون) ۱/۰
- سنگ و خشت ۱/۵۰
- شیشہ و تیشہ ۱/۵۰
- گرد کارواں ۱/۵۰
- چنگ و رباب ۱/۵۰
- زہر خند ۱/۵۰
- بال و پر ۱/۵۰
- اندیشہ شہر ۲/۰
- راجہ صاحب ۱/۷۵

مذہب

- حلال و حرام ۲/۲۵

علم و فن

- معلومات کا انسائیکلوپیڈیا ۳/۷۵
- شیر، شیر، شیر ۳/۰

میری لائبریری
چوک مینار انار کلی

الهارون

ہارون الرشید بن مہدی

البرامکہ

عمر ابو النصر

ترجمہ :- شیخ محمد احمد پانی پتی

مکتبہ میری لائبریری، لاہور

میری لائبریری ایڈیشن: پہلی مرتبہ — ۱۹۶۰ء

طابع: پاکستان ٹائمز پریس لاہور

ناشر: بشیر احمد چودھری ڈائریکٹر
مکتبہ میری لائبریری لاہور ۵

بار سوم ——— ۱۹۶۵ء

ترتیب

عرض مترجم ، ط
عربی یلغار ، ش
خلافت کی مختصر تاریخ ، ۲۱
ہارون بن مہدی ، ۲۵
ہادی کی تخت نشینی ، ۳۳
ہادی بن مہدی ، ۳۸
ہارون کی تخت نشینی ۵۱
برامکہ ، ۵۵
سیاسی حالات ، ۶۵
زوالِ برامکہ ، ۶۷
جعفر کا قتل ، ۹۰
جعفر کی شان و شوکت ، ۱۰۳
برامکہ پر مظالم ، ۱۱۱
ہارون الرشید کا رقہ میں قیام ، ۱۲۸
دولت عباسیہ اور بزنطینی سلطنت ، ۱۳۴
مغربی رومی سلطنت ، ۱۴۳
امین و مامون کی ولی عہدی ، ۱۴۸

خراسان میں بغاوت ، ۱۵۴

ہارون کی وفات ، ۱۶۴

امین کی خلافت ، ۱۷۱

ہارون الرشید کے اخلاق و عادات ، ۱۸۷

ہارون الرشید کے عہد کا بغداد ، ۱۹۸

ہارون الرشید کا عہدِ حکومت ، ۲۰۲

تخت نشینی تک کے اہم تاریخی واقعات ، ۲۱۸

ماخذ ، ۲۲۱

عرضِ مترجم

موجودہ دور کے عربی مصنفین میں بیروت کے مشہور فاضل "عمر ابوالنصر" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ شخص اعلیٰ پائے کا ادیب، بلند پایہ مؤرخ اور بہت سی قابلِ قدر کتابوں کا مصنف ہے۔

حال کے عربی مورخین میں عمر ابوالنصر بھی منجملہ ان اشخاص کے ہے جنھوں نے وقت کی اس سب سے بڑی ضرورت کا احساس کیا کہ مسلمانوں کو ان کے قابل فخر اسلاف کے شاندار کارناموں سے بذریعہ تصنیف و تالیف واقف کرانا چاہیئے تاکہ وہ ان کی زندگیوں سے سبق حاصل کر کے اپنے خصائل و اطوار میں درستی اور اپنی تہذیب و شائستگی میں ترقی کر سکیں۔

اس غرض کے لئے عمر ابوالنصر نے متعدد کتابیں تالیف کیں جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کبار، بزرگانِ سلف اور نامور شاہانِ اسلام کی سوانحات حیات پر مشتمل تھیں۔ یہ کتابیں اس نے یورپین ماخذوں اور عربی تاریخوں سے اخذ و انتخاب کر کے نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ سپردِ قلم کی ہیں۔ "الہارون" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا اردو ترجمہ قارئینِ کرام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

خدمت قرآن اور تدوین احادیث کے بعد جتنی زبردست کوشش اور سعی مسلمانوں

نے اپنی تاریخ کو محفوظ کرنے اور اپنے اسلاف کے علمی، ادبی، سیاسی اور اخلاقی کارناموں کو مدوّن کرنے میں کی، اتنی آج تک دُنیا کی کسی قدیم یا جدید قوم نے نہیں کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ ایسا محیرّ العقول کارنامہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دُنیا عاجز ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصے میں مسلمانوں نے بلا مبالغہ لاکھوں کتابیں تاریخ اسلام اور اکابرینِ اسلام کے حالات میں مرتب کیں اور یہ عظیم الشّان ذخیرہ قیامت تک دُنیا کو اسلام کے عہدِ زرّیں کی یاد دلاتا رہے گا۔

مُورّخین اسلام نے جو کتابیں لکھیں۔ اُن کو اُنھوں نے انتہائی عرق ریزی، کمالِ محنت اور بڑی تحقیق و تلاش کے بعد مدوّن کیا اور اس بات کی پوری کوشش کی کہ تاریخ اسلام کا کوئی پہلو کسی لحاظ سے تشنہ نہ رہ جائے۔ آج یورپ و امریکہ، مصر و شام، ایران و عراق اور پاکستان و ہندوستان میں جس قدر کتابیں تاریخ اسلام کے متعلق لکھی جا رہی ہیں۔ ان سب کی بنیاد و اساس تمام تر وہی عربی کتب ہیں جو ابتدائی دور میں ہمارے اسلاف نے لکھیں۔ اسی لئے ہماری شاعری کا مجددِ اعظم لکھتا ہے :

مورّخ ہیں جو آج تحقیق والے۔
تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے
جنھوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے
زمیں کے طبق سر بسر چھان ڈالے
عرب ہی نے دل ان کے جا کر اُبھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے تُرارے

جہاں تک مورّخین اسلام کی کاوشوں کا تعلق ہے کوئی شخص ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

تاہم اس سلسلہ میں بعض امور ایسے ہیں جو محلِ نظر ہیں۔
جس وقت ہمارے بزرگوں نے ہاتھوں میں قلم سنبھال کر کتابوں کے انبار لگانے شروع کئے۔ اس وقت دنیا تصنیف کے نام سے ناآشنائے محض تھی۔

ترقی کا جس دم خیال ان کو آیا
اک اندھیرا تھا ربع مسکوں میں چھایا

ہر اک قوم پر تھا تنزل کا سایا
بلندی سے تھا جس نے سب کو گرایا

وہ بیش جو ہیں آج گردوں کے تارے
دھندلکے میں پستی کے پنہاں تھے سارے

نہ وہ دور دورہ تھا عبرانیوں کا
نہ یہ بخت و اقبال نصرانیوں کا

پراگندہ دفتر تھا یونانیوں کا
پریشاں تھا شیرازہ ساسانیوں کا

جہاز اہل روما کا تھا ڈگمگاتا
چراغ اہلِ ایراں کا تھا ٹمٹماتا

انھوں نے ایک بالکل نئے میدان میں طبع آزمائی شروع کی۔ ایسے میدان میں جہاں نہ پہلے سے کوئی راستہ بنا ہوا تھا، نہ کوئی پگڈنڈی تھی۔ نہ ان سے پہلے کوئی راہی اس میدان سے گذرا تھا۔ نہ ان سے قبل کوئی اس راہ سے واقف تھا۔ وہ آپ ہی اس میدان کے مرد تھے اور آپ ہی اس راہ کے راہبر۔

اس صورت حال کے پیش نظر کسی کام کو شروع کرنے میں جتنی مشکلیں اور دقتیں پیش آتی ہیں وہ سب کی سب ان کو پیش آئیں، مگر انھوں نے خندہ پیشانی سے ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور تصنیف و تالیف کے خار دار صحرا میں اپنے رہوارِ قلم کو سرپٹ ڈال دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب کسی نئے کام کی ابتدا کی جاتی ہے تو اس میں فوراً وہ حسن اور وہ دلکشی، وہ خوبی اور وہ عمدگی پیدا نہیں ہو سکتی جو مشق و مزاولت کے کے بعد آگے چل کر پیدا ہوتی ہے۔ جس وقت مسلمانوں نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تو انھوں نے اپنی کتابوں میں محض نفس مطالب سے مطلب رکھا۔ ترتیب و تبویب اور ربط و تسلسل کا چنداں لحاظ نہ کیا۔ انھوں نے بالعموم اس بات سے غرض نہ رکھی کہ عبارت کتاب مربوط اور مسلسل ہو۔ ان کا مطمح نظر صرف اصل مضمون کو بیان کر دینا ہوتا ہے اور بس۔ عام طور سے ان کی روش یہ ہوتی تھی کہ مسلسل عبارت لکھتے چلے جاتے تھے اور اس عبارت میں بعض اوقات غیر متعلق واقعات بھی درمیان میں داخل کر دیتے تھے جو اکثر خاصے طویل ہوتے تھے۔ اس کی وجہ سے پڑھنے والوں کو بڑی الجھن ہوتی تھی۔

ایک عادت ان میں یہ بھی تھی کہ واقعات کو بغیر کسی ترتیب کے کتاب میں جمع کر دیتے تھے اور تقدیم و تاخیر کا قطعاً خیال نہ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی خاص واقعہ یا کسی خاص موضوع کے متعلق تلاش یا تحقیق کرنی ہوتی تھی تو اسے اس مقصد کے لیے پوری کتاب من اولہ الی آخرہ بغور مطالعہ کرنی پڑتی تھی۔ تب کہیں جا کر گوہرِ مقصود حاصل ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں مورخین اسلام کا ایک طریقۂ تحریر یہ بھی تھا کہ تاریخی واقعات کو تو وہ پوری تفصیل اور تشریح سے بیان کر دیا کرتے تھے لیکن عبارت کی دل آویزی اور بیان کی

دلکشی کا خیال عام طور سے نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے مضمون خشک ہو جاتا تھا اور
قاری کا دل پڑھنے میں نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ کتاب میں دلچسپی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب
عبارت میں رنگینی و شادابی اور بیان میں فصاحت و بلاغت سے کام لیا جائے۔ یہاں
تک کہ ایک بظاہر خشک موضوع کو بھی حسنِ بیان اور لطافتِ زبان سے اتنا دلچسپ
اور پُر لطف بنا دیا جائے کہ پڑھنے والے کے ہاتھ سے کتاب اس وقت تک نہ چھوٹے
جب تک ختم نہ ہو جائے۔

یہ طرزِ تحریر صدیوں تک جاری رہا اور کسی کو اس میں تبدیلی کا خیال پیدا نہ ہوا۔
اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابتدائی عرب مصنفین اور سلف صالحین جو کچھ لکھ گئے اور جس طرح
لکھ گئے اس کو بعد میں آنے والے مسلم مورخین نے متقدمین کے تقدس سے مرعوب
ہو کر گویا صحف سماوی سمجھا اور آنکھیں بند کر کے ان کی لفظ بلفظ تقلید کرتے چلے گئے۔
اُنھوں نے قطعاً اس ضرورت کا احساس نہیں کیا کہ زمانے کے حالات اس امر کے
متقاضی ہیں کہ اپنی قدیم ڈگر چھوڑ کر نئی طرز کو اختیار کیا جائے۔

جب یورپ میں اندلس اور صقلیہ کے مسلمانوں کی بدولت علوم و فنون کی ترقی شروع
ہوئی اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ان میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہوا تو ان کے
بالغ نظر مصنفین اور ہوشیار دماغوں نے رفتہ رفتہ اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ کتابیں
جب تک دلچسپ طریقے پر نہیں لکھی جائیں گی اُس وقت تک وہ قبول عام کی سند
حاصل نہیں کر سکتیں۔ البتہ الماریوں اور لائبریریوں کی زینت بیشک بن سکتی ہیں۔ انھوں
نے بہت جلد یہ بات محسوس کر لی کہ کتابوں کو دلچسپ اور پُر لطف بنانے کے لئے
تحریر میں رنگینی اور دلچسپی کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کتابیں جسد بے روح

کی مانند ہیں، چنانچہ اُنھوں نے اپنی کتابوں کو اس سانچے میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ ان کی علمی اور تاریخی کتابوں کو پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت ہی مزیدار قصہ یا کوئی بہت ہی دلچسپ ناول پڑھ رہے ہیں۔

یورپین مصنفین کا یہ طرز تحریر اتنا مقبول اور مشہور ہوا کہ آج مصر و شام کا ہر عربی مصنف ایران و افغانستان کا ہر فارسی ادیب اور پاکستان و ہندوستان کا ہر اردو ادیب اس کی تقلید اور پیروی کرنے پر مجبور ہے۔

مصر و شام کے جن نامور اور مشہور عالم مؤرخین نے اس جدید یورپین طرزِ نگارش کو اختیار کیا ان میں عمر ابو النصر امتیازی اور خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے جدید یورپ کی اس جدید طرز کو بڑی خوبی سے اپنایا ہے اور اپنی اس کوشش میں بے حد کامیاب رہا ہے۔

جب عمر ابو النصر کسی کتاب کی ابتدا کرتا ہے تو پڑھنے والے کو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی بہت ہی دلچسپ اور شاندار داستان شروع کرنے لگا ہوں جس میں آگے چل کر حیرت انگیز اور سنسنی خیز واقعات کا انکشاف ہوگا۔ اس شوق میں قاری پوری دلچسپی کے ساتھ صفحاتِ کتاب کو پڑھتا چلا جاتا ہے۔ عمر ابو النصر ایسے کلمات و فقرات استعمال کرتا ہے جو ہر شخص کو بے اختیار اور بلا ارادہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی ہر کتاب میں دلچسپی آخر تک قائم رہے۔ اس غرض کے لئے وہ اپنی تحریر میں حسن اور دلکشی پیدا کرنے کے علاوہ مناسب مقامات پر مختلف حکائتیں بیان کرتا ہے۔ مزید برآں عنوانات ایسے قائم کرتا ہے کہ کتاب ہاتھ میں لیتے ہی فوراً

اُنھیں پڑھنے کی خواہش دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ ترتیبِ کتاب اور تسلسلِ بیان کا بھی وہ بڑا خیال رکھتا ہے۔ یہی اس کی مقبولیت کا راز ہے اور اسی وجہ سے اس کی اکثر کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

تاریخی اہمیت کے لحاظ سے عمر ابوالنصر کی کتابیں نہایت وقیع اور بلند پایہ ہیں۔ اُس نے پُوری کوشش اس امر کی کی ہے کہ جو بات یا جو واقعہ وہ اپنی کتاب میں درج کرے وہ معتبر اور مستند ماخذوں سے لیا گیا ہو اور بالکل صحیح اور دُرست ہو۔ اگر کسی واقعہ میں اختلاف پایا جاتا ہے تو ایسے موقع پر اُس نے مختلف مؤرخین کے اقوال کا محاکمہ کر کے صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں کسی واقعہ کے متعلق اختلاف کی خلیج بہت وسیع ہو گئی ہے وہاں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مختلف اور متفرق قدیم مؤرخین کی مخالف اور موافق آرار کو نہایت جامعیت کے ساتھ ایک جگہ نقل کر دیا ہے اور نتیجہ قارئین کی عقل اور سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔

اپنی کتابوں میں عمر ابوالنصر نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قدیم اسلامی مورخین کے علی الرغم کسی شخص کی محض سوانح حیات بیان کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ساتھ کے ساتھ اس کے عہد کے علمی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح اس نے زمانہ حال کے تقاضوں کو اپنی کتابوں میں پورا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں زیر نظر ترجمے کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک معلوم ہے عربی زبان میں ہارون الرشید کی یہ اکیلی سوانح عمری ہے جو اگرچہ بہت حد تک فرانسیسی اور انگریزی کتب سے ماخوذ ہے مگر عربی زبان کے قدیم و جدید سرمائے سے

بھی فاضل مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں کافی مدد لی ہے۔ اس کتاب کے پہلے دو باب مشہور فرانسیسی مستشرق مریبہ اور ریلیبو کی کتاب "ہارون الرشید" سے ماخوذ ہیں اور انتہائی طور پر دلچسپ ہیں۔ باقی کتاب یورپین اور عربی تاریخوں کا خلاصہ اور عطر ہے۔

تمہید کو ختم کرتے ہوئے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے کتاب ہذا کا ترجمہ کرتے ہوئے اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ تمام واقعات ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کئے جائیں بعض جگہ فاضل مصنف نے ایک ہی قسم کے واقعات کو بجائے ایک ہی باب میں درج کرنے کے مختلف بابوں میں تحریر کیا ہے مگر میں نے اردو دان اصحاب کی آسانی کے لئے یہ بہتر سمجھا کہ ایک باب کے متعلق جتنے واقعات ہوں، وہ سب ایک ہی جگہ اور اسی باب میں بیان کرتے جائیں تاکہ تسلسل قائم رہے اور خلط مبحث نہ ہو۔

بعض ایسے اہم واقعات بھی کتاب میں آ گئے ہیں جو میرے نزدیک زیادہ وضاحت سے بیان ہونے چاہئیں تھے۔ اس لئے میں نے دوسری تاریخوں کی مدد سے ان کی قدرے تشریح کر دی ہے۔

لائق مصنف نے یہ کتاب چونکہ بیشتر یورپین تالیفات سے اخذ و اقتباس کر کے لکھی ہے لہذا جہاں جہاں سنہ لکھنے کی ضرورت پڑی ہے، اس نے عیسوی سنہ تحریر کیا ہے۔ مگر زیر نظر کتاب قرون اولیٰ کے ایک عباسی فرمانروا کی سوانح عمری ہے۔ اس لئے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ ہر جگہ عیسوی سنہ کے ساتھ ہجری سنہ بھی تلاش کر کے لکھ دوں۔ تاکہ اس میں درج شدہ واقعات عربی تاریخوں سے منطبق ہو جائیں۔ جن میں کلیتاً ہجری سنہ کا استعمال کیا گیا ہے۔

محمد احمد پانی پتی

رام گلی نمبر ۳ ۔ لاہور

عربی یلغار

ایک دن خلیفہ بغداد، امیر المومنین ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحییٰ برمکی سے اثنائے گفتگو میں فرمایا:

"جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاءِ اعلیٰ کو تشریف لے گئے اس وقت سارا عرب اتحاد کی لڑی میں منسلک تھا۔ اسی اتحاد کی برکت تھی کہ اسلام ایک زبردست طاقت بن کر افق عالم پر نمودار ہوا اور دیکھتے دیکھتے دنیا کے کثیر حصے پر چھا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کا بچہ بچہ ایمان و عمل کے جذبے سے سرشار تھا اور یہ جذبہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اسلامی سلطنت کی حدود اس سے بہت زیادہ وسیع ہو چکی ہیں جتنی خلافت راشدہ کے زمانہ میں تھیں تو مسلمانوں کے اتحاد کی جو حالت ہے اور جس طرح آئے دن ان میں فتنے برپا ہوتے رہتے ہیں وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ نہیں، لیکن اس پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"

ہارون الرشید کا یہ کہنا بالکل درست تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، ڈیڑھ سو سال کا عرصہ جس میں مسلمانوں کے قدم پرانی دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکے تھے اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں دور ہے۔ دینی حمیت ہر مسلمان کے دل میں موجزن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور ارشادات کی بدولت

ہر شخص کے سینے میں ذوق وشوق کے چشمے ابل رہے تھے۔ ان کو ہر جنگ میں قومی غیرت کا احساس نہایت شدت سے رہتا تھا جس کی وجہ سے ان کے قدم بجائے پیچھے ہٹنے کے آگے ہی آگے بڑھتے رہتے تھے۔ وہ جزیرہ نما عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچ چکے تھے اور جہاں بھی وہ جاتے تھے فتح و ظفر ان کے آگے آگے چلتی تھی۔

صدر اول کی اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی جنگوں کو ہرگز بدوؤں کی اس یلغار سے موسوم نہیں کیا جا سکتا جو انھوں نے بھوک اور پیاس سے تنگ آکر اردگرد کے سرسبز و شاداب علاقوں پر اس لئے کی کہ انھیں با فراغت خوراک مل سکے۔ نہ ہی یہ لڑائیاں اردگرد کی متمدن سلطنتوں کی شان و شوکت کو دیکھ کر لڑی گئی تھیں کہ ان ممالک کی دولت و ثروت کو اپنے قبضہ میں لاکر رنگ ریاں منانے اور گلچھرے اڑانے کے سامان بہم پہنچ سکیں۔ ان غزوات کا لوٹ مار سے قطعاً کوئی واسطہ نہ تھا۔ بلکہ یہ ان جماعتوں کی طرف سے کئے گئے تھے۔ جن میں ایک عجیب وغریب دینی روح سرایت کر گئی تھی۔ جس نے ان کو باہم متحد کر دیا تھا۔ تب وہ تمام عالم کو کلام اللہ کی تعلیمات سے روشناس کرانے اور زمین کے گوشے گوشے کو اسلام کے نور سے منور کرنے کے عزم کے ساتھ کھڑی ہوئیں اور انھوں نے اپنے اس عزم و ارادے کو نہایت عمدگی کے ساتھ پورا کر کے دکھایا۔

ہارون الرشید کی نظر سے اسلامی تاریخ کے واقعات ایک ایک کر کے گزر رہے تھے۔ اس نے عالم خیال میں ایک ایسی قوم کو سرزمین عرب سے نکلتے دیکھا جس کے پاس نہ سامان جنگ کی فراوانی تھی نہ سامان رسد کی کثرت۔ لیکن اس بے سروسامانی

کے باوجود دنیا کی کوئی قوم اور روئے زمین کی کوئی سلطنت اس کے سامنے نہ ٹھہر سکی جو طاقت بھی اس کے سامنے آئی پاش پاش ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور جس بہادر نے بھی اس کا مقابلہ کیا۔ اسے بالآخر میدانِ جنگ سے بھاگتے ہی بن پڑی - عرب کے بدو قبائل کا دیکھتے دیکھتے دنیا کے بہت بڑے حصہ پر چھا جانا اور بڑی بڑی طاقتور بادشاہتوں اور باجبروت سلطنتوں کا ان کے ہاتھوں مٹ جانا ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ یکسر قاصر ہے۔

اس زمانے میں ہر طرف اسلامی افواج ہی کا غلغلہ تھا - ان کے گھوڑے اشوریا اور بابل کی سرزمین کو روندرہے تھے - ایران کی افواج قاہرہ بڑے کروفر سے مسلمانوں کے سامنے آئیں لیکن انھیں انتہائی حسرت ناک شکست اٹھانی پڑی - جس کے نتیجے میں ایران کی عظیم المرتبت کیانی سلطنت ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئی - ایوان ہائے کسریٰ جہاں سے شاہانِ کسریٰ اپنی وسیع و عریض مملکت پر بڑے دبدبے سے حکومت کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے اور کسریٰ کی ساری شان و شوکت خاک میں مل گئی۔

اب عربی عساکر نے اپنا رُخ سرزمین فلسطین کی طرف پھیرا - چند ہی دنوں میں آل اسماعیل بیت المقدس پہنچ گئے اور وہ ارضِ مقدس جو صدیوں سے انبیاء کا مسکن اور مدفن بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آخرکار اس کے حقیقی وارثوں کو مل گئی۔ فلسطین کے بعد شام کی باری آئی اور رومی سلطنت کا چراغ جو یہاں صدیوں سے بڑی آب و تاب سے روشن تھا مسلمانوں کی پھونکوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

اس کے بعد حملے کا رُخ افریقہ کی جانب پھرا۔ مصر کی فتح میں کچھ دیر نہ لگی اور بہت جلد اس سرسبز و شاداب علاقے پر بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا۔

تسخیرِ مصر کے بعد بھی مسلمانوں کی پیش قدمی جاری رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں اسلامی لشکر برِ اعظم افریقہ کے آخری سرے پر بحرِ اوقیانوس کے کنارے خیمہ زن تھا۔ افریقہ کے کونے پر سمندر کی اسی جانب موسیٰ بن نصیر کا غلام اور دُنیا کا مشہور سپہ سالار "طارق" اپنی مٹھی بھر فوج لئے یورپ کے عظیم الشان ملک "سپین" کی طرف فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ دوسری سمت اہلِ سپین اپنے خیال میں ہر خطرے سے محفوظ آرام و چین کی نیند میں مدہوش ہیں۔ دفعتاً طارق آگے بڑھا اور اپنی فوج کے ساتھ جہازوں میں سوار ہو گیا۔ سپین کے ساحل پر اُتر کر اُس نے تمام جہازوں کو آگ لگا دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ اپنی سات ہزار کی مختصر سی فوج کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اُسے مخاطب کر کے ایسا عدیم المثال تاریخی خطبہ دیا جسے پڑھ کر آج بھی ہر مسلمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔ سپہ سالار نے کہا:

"اے میرے عزیز ساتھیو! مجھے بتاؤ کیا اس وقت تمہارے لئے کہیں بھی کوئی جائے فرار ہے؟ تمہارے پیچھے خوفناک سمندر ہے اور سامنے دشمن کا لشکرِ جرار۔ اب ثابت قدمی اور صبر کے سوا تمہارے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ تم اچھی طرح جان لو کہ اگر تم نے جرأت اور ثبات سے کام نہ لیا تو اس جزیرے میں تمہارے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے گا جو کمینوں کی دعوتوں میں یتیموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ دشمن اپنے جرار لشکر، عظیم الشان اسلحہ اور وافر سامانِ رسد کے ساتھ تمہارے استقبال کو نکلا ہے۔ اب تمہارے لئے تمہاری تلواروں کے علاوہ اور کوئی جائے پناہ نہیں اور علاوہ اس

خوراک کے جو تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین لو۔ تمھارے لئے کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہیں۔ اگر تم کچھ مدت تک اسی طرح تہی دست رہے اور تم نے اپنا مقصود و مطلوب حاصل نہ کیا تو دشمنوں کے دلوں سے تمھارا سب رعب و داب جاتا رہے گا اور وہ لوگ جن پر آج تمھاری ہیبت طاری ہے کل کو نڈر اور بے خوف ہو کر تمھارے مقابلے کے لئے نکل آئیں گے۔ تم آنے والے خطرات کا اندازہ کرو۔ تاخیر اور سستی کے نتائج پر غور کرو اور قبل اس کے کہ دشمن تمھارے خلاف کوئی کارروائی کر سکے۔ تم آگے بڑھ کر اس کو دعوتِ مبارزت دو۔ دیکھو! خدا تعالیٰ نے ان کے مضبوط قلعے تمھارے سامنے ڈال دئے ہیں۔ اس زریں موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اگر تم اپنی جانوں پر کھیل کر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ تو کوئی طاقت تمھیں ان قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرنے سے نہیں روک سکتی۔

میں تمھیں کسی ایسی چیز سے نہیں ڈراتا جس سے میں خود الگ رہوں۔ میں تمھیں کسی ایسی بات کی طرف نہیں بلاتا جس میں جانیں قربان کرنے کا سوال ہو اور میں خود اس میں پس و پیش کروں۔ خوب اچھی طرح جان لو کہ اگر تم نے تھوڑی دیر کے لئے مصائب اور شدائد برداشت کر لئے تو مدت دراز تک آسودگی اور میٹھے پھلوں کا لطف اٹھاؤ گے۔

تم وہ خوش قسمت لوگ ہو جنھیں امیر المومنین ولید بن عبد الملک نے ہزاروں بہادروں میں سے چن کر اس جزیرے کی تسخیر کے لئے بھیجا ہے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ تم دشمن کے مقابلے کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوگے۔

میرے عزیز ساتھیو! تم ہر بات میں میری پیروی کرو۔ جو کچھ میں کروں وہی تم بھی

کرو۔ اگر میں حملہ کروں تو تم بھی حملہ کرو۔ اگر میں رُک جاؤں تو تم بھی رُک جاؤ۔ لڑائی میں تم سب کا فردِ واحد کی طرح ہونا ضروری ہے۔

میرے بہادر سپاہیو! میدانِ کارزار میں سب سے پہلے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے جو شخص باہر نکلے گا وہ "طارق" ہو گا اگر قضاء الٰہی سے میں مارا جاؤں تو کسی جانب سے بھی کمزوری۔ حزن و ملال اور باہمی چپقلش کا اظہار نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تمھاری خیر نہیں۔

لو اب میں دُشمن کے مقابلے کے لئے نکلتا ہوں۔ میرے حملہ کرنے کے ساتھ ہی تم بھی بے جگری سے دُشمن پر حملہ کر دو۔"

طارق کے اس پُرجوش خطبے نے اس کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک آگ لگا دی۔ وہ دیوانہ وار آگے بڑھے اور دُشمن پر پل پڑے۔ دشمن کی صفیں ان کے حملے کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہو گئیں اور سپین بالآخر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

خلافت کی مختصر تاریخ

ہارون الرشید اپنے محل میں بیٹھا، گذرے ہوئے واقعات پر غور کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ کیا عوامل تھے جن کی وجہ سے تمام مملکت اسلامیہ میں ایک عدیم النظیر اتحاد قائم تھا اور سلطنت کے تمام باشندے وحدت کی سلک میں منسلک تھے۔ جب ایام رفتہ سے اُس کی نظر ہٹ کر اس کے اپنے زمانے پر پڑتی ہے تو اس کی پیشانی سے حسرت اور رنج و غم کے آثار ہویدا ہو جاتے ہیں۔ اسے دکھائی دیتا ہے کہ اس کے زمانے کی اسلامی مملکت کی، جو دُنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہے، وہ حالت نہیں جیسی اس کے اسلاف کے عہد میں تھی۔ نہ اس میں پہلی سی شان و شوکت موجود ہے نہ پہلا سا اتحاد ہے نہ اعلاء حکمۃ اللہ کا وہ جوش باقی ہے جو اس کے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا، اور نہ پہلی سی قوتِ عمل ہے نہ سلطنت کے شعبوں میں نظم و ضبط کے پہلے سے مظاہرے ہیں اور نہ اسلامی کردار کے نمونے ہی موجود ہیں۔

سلطنت کے بعض دور دراز علاقوں، مثلاً اندلس اور بلادِ مغرب نے دارالخلافہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس بات کا امکان تھا کہ اس صورتِ حال کو دیکھ کر بعض اور علاقے بھی خود مختار ہو جائیں گے۔ خلیفہ کی اپنے وزیر سے وہ گفتگو جس کا ذکر شروع میں ہوا ہے انہی افکار کا نتیجہ تھی۔

سلطنت کے حالات پر خلیفہ کی تشویش اور پریشانی بے جا نہ تھی۔ اس کے اپنے عہد میں جو واقعات رونما ہو رہے تھے وہ پچھلے واقعات سے پوری طرح مربوط تھے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال کے واقعات زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک تھے کہ انھیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہارون الرشید کا ان واقعات پر غور کرنے سے اصل مقصد یہ تھا کہ وہ سلطنت میں پیدا شدہ خرابیوں کو دور کرے اور اپنے بعد اپنے جانشینوں کے لئے ایسی مضبوط سلطنت چھوڑ جائے جو اتحاد، استحکام اور شوکت و عظمت میں اپنی نظیر آپ ہو۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر ہارون الرشید کے زمانے تک عالم اسلام کا مختصر سا حال بیان کر دیا جائے تاکہ آپ کے ذہن میں تمام واقعات کا ایک نقشہ قائم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے خلافت کے مسئلے پر اختلاف رونما ہوا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق کی زبردست شخصیتوں کی بدولت اس اختلاف نے کوئی ناگوار صورت اختیار نہیں کی۔ حضرت عثمان رضؓ کے آخری عہد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سلطنت کے ہر حصے میں بغاوت کا فتنہ سر اٹھانے لگا۔ آخر انہی باغیوں نے مدینہ پہنچ کر آپ کو شہید کر دیا۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن اہل شام نے آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے مقابلے میں نکل آئے۔ صرف اہل شام ہی نے نہیں بلکہ کئی جلیل القدر صحابہ نے بھی آپ کے مقابلے میں علم اختلاف بلند کر دیا اور اس طرح تمام عالم اسلامی میں ایک انتشار برپا ہو گیا۔ آخر کار

حضرت علیؓ کو بھی جامِ شہادت پینا پڑا۔

حضرت علیؓ کے شہید ہونے کے بعد تمام مملکت اسلامیہ پر حضرت معاویہؓ کا تسلط ہوگیا اور وہ بلاشرکتِ غیرے حکومت کرنے لگے۔ بلاشبہ انھوں نے بڑی مضبوطی اور عمدگی کے ساتھ حکومت کی۔

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب ان کا بیٹا یزید بد تخت پر بیٹھا تو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا جاں گداز حادثہ پیش آیا۔ اس حادثے کے نتیجہ میں تمام عالم اسلامی کے مسلمان دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک گروہ کا دعویٰ تھا کہ حضرت علیؓ کی اولاد ہی خلافت کی حق دار ہے لیکن دوسرے گروہ کو اس سے انکار تھا اور وہ کہتا تھا کہ حکومت کی باگ ڈور جس شخص کے ہاتھوں میں آئے قطع نظر اس کے کہ وہ کون ہے اس کی بیعتِ خلافت کر لینی چاہیے۔

یہ اختلاف مٹ نہ سکا۔ شیعیان علیؓ خفیہ خفیہ اپنے لئے زمین ہموار کرتے رہے اور عامۃ المسلمین میں اپنے خیالات کی ترویج کرتے رہے۔ اموی خلفاء بھی اس سے بے خبر نہیں تھے۔ وہ ہمیشہ اس تحریک کی بیخ کنی میں مصروف رہے جس شخص کے متعلق انھیں پتہ چلتا کہ وہ لوگوں میں آلِ علیؓ کی خلافت کی تبلیغ کر رہا ہے اسے قتل کروا ڈالتے اور جس جماعت کے متعلق انھیں معلوم ہوتا کہ وہ شیعیان علیؓ کے مطالبات سے ہمدردی رکھتی ہے اسے کچل ڈالتے۔

تاہم خراسان میں شیعیان علیؓ کو سازگار حالات میسر آگئے اور ایرانی مسلمانوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس دعوت کی حمایت شروع کر دی۔ آخر امویوں کے خلاف بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑا۔ شیعیان علیؓ اور امویوں کے درمیان مردِ اور زاب

لگے دو مہرکے پیش آئے جن میں عباسیوں کو (جن کی شیعیانِ علی نے بیعت خلافت کی تھی)
فتح نصیب ہوئی۔ امویوں کے جھنڈے زمین بوس ہو گئے اور عباسی خلافت کا پھریرا
بڑی شان سے لہرانے لگا۔

عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح ہوا جس نے چُن چُن کر امویوں کو قتل
کرنا شروع کیا۔ اس کے نتیجے میں صرف چند خوش قسمت انسان ایسے تھے جو عباسیوں
کی نظروں سے بچ کر بھاگ نکلے۔ باقی سب تہ تیغ کر دیے گئے۔

عباسیوں نے بڑی شان سے حکومت شروع کی تاآنکہ خلافت ہارون الرشید
کے ہاتھوں میں آئی جو عباسیوں کا سب سے مشہور خلیفہ ہوا ہے اور جس کے زمانے
کو عباسیوں کا عہدِ زرین کہا جاتا ہے۔

ہارون بن مہدی

ہارون الرشید بن محمد المہدی بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ؓ عم رسول اللہ صلعم، فارس کے ایک شہر ''رے'' میں یکم محرم الحرام ۱۴۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۷۶۶ء کو پیدا ہوا۔ پرورش عراق میں ہوئی اور ابو العباس سفاح کو چھوڑ کر خلافت عباسیہ کے باقی تمام سابق عباسی خلفا کے زیر تربیت رہا۔ نوعمری ہی میں اس کی شجاعت، دلیری اور علو ہمتی کو دیکھ کر تمام لوگ اس کا احترام اور اس سے محبت کرتے تھے۔ اس نے بچپن ہی سے سیاست اور سلطنت کے آداب سیکھنے شروع کر دیئے اور اپنی ذکاوت و ذہانت کی بدولت بہت جلد سلطنت کے تمام امور و رموز سے بخوبی واقف ہو گیا۔

بچپن کے زمانے میں ہارون اکثر اوقات اپنے دادا خلیفہ منصور کے پاس چلا جاتا۔ منصور اس سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتا۔ اس وقت ہارون بہت چھوٹا تھا۔ اس لئے اپنے دادا کی اکثر باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں۔ البتہ جس چیز کی طرف ہارون کی نظریں بہت غور سے اٹھتی تھیں وہ منصور کا بیش قیمت شاہی لباس تھا جسے دیکھ کر اس کے دل میں بے اختیار اس بات کی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش

لہ یعنی (۱) ابو جعفر منصور (۲) ابو عبداللہ مہدی بن منصور اور (۳) موسیٰ ہادی بن مہدی (مترجم)

اس کے پاس بھی ایسے ہی بھڑک دار پکڑے بے ہوتے اور وہ انھیں پہن کر خوشی خوشی اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا اور ان پر حکومت جتاتا۔

اس وقت کوئی شخص یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہارون کو ضرور ہی خلافت ملے گی۔ کیونکہ ملک کی سیاسی حالت میں ایک اضطراب برپا تھا۔ ولی عہد کا مسئلہ بھی اسی اضطراب کا ایک حصہ تھا۔ اموی عہد میں خلیفۂ وقت اپنے بعد جس لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا تھا ملک کے سربرآوردہ رئیسوں، لشکروں کے سپہ سالاروں، سلطنت کے فقیہوں اور عالموں سے اپنی زندگی میں ہی اس کی بیعت لے لیتا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہ تھا کہ جس لڑکے پر خلیفہ کی نظرِ انتخاب پڑے وہی اس کا جانشین ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ولی عہد کے دوسرے بھائی از راہِ حسد اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور لشکر اور رعایا کے ایک حصے کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے بھائی کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ تاریخ اسلام میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

رشید کی والدہ خیزران بڑی ہوشیار اور عقلمند عورت تھی۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ بڑے کا نام ہادی تھا اور چھوٹے کا ہارون۔ عام قاعدے کے مطابق ولی عہد بڑا لڑکا ہوتا ہے اسی لئے ولی عہد ہادی تھا لیکن خیزران ہادی کے بجائے ہارون کو پسند کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے خاوند مہدی کے بعد خلافت ہارون کو ملے کیونکہ ہارون اپنے بھائی ہادی کی بہ نسبت اپنی والدہ کا بے حد تابع تھا۔

جس وقت ہارون کا باپ مہدی خلیفہ ہوا اس وقت ہارون دس سال کا تھا خلیفہ ہونے پر مہدی نے اسے سلطنت کے رموز و نکات سے آگاہ کرنے اور تعلیم دلانے کے لئے اتالیقوں کے سپرد کر دیا۔ ہارون نے اپنی فطری ذکاوت کی وجہ سے اپنے

اتالیقوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ ان اتالیقوں میں سب سے مشہور شخصیت یحییٰ بن خالد برمکی کی ہے۔ اسی شخص کی بدولت ہارون خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر یحییٰ بن خالد اور خاندان برامکہ کا مختصر ذکر کر دیا جائے۔

خاندانِ برامکہ کا جدِ اعلیٰ 'برمک' مجوسیوں کا بڑا محترم پیشوا اور بلخ کے مشہور آتش کدے 'نوبہار' کا موبد تھا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آیا وہ اسلام لے آیا تھا یا نہیں۔ جب خراسان میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو خالد بن برمک (جو اسلام لا چکا تھا) اس کے بہت بڑے داعیوں میں سے تھا۔ یہ شخص نہایت بلند ہمت۔ عالی حوصلہ اور سیاستِ ملکی میں ماہر تھا۔ خلافت عباسیہ قائم ہونے پر جب عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اپنے وزیر ابوسلمہ حفص بن سلیمان الخلال کو بغاوت اور سازش کے جرم میں قتل کرا دیا تو اس کے بعد خالد کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ابوالعباس کی وفات تک یہ اپنے عہدے پر قائم رہا۔ سفاح کے بعد جب ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا تو اس نے پہلے تو کچھ مدت تک اسے اس کے پہلے منصب پر ہی قائم رکھا۔ پھر اسے فارس کا والی بنا کر بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے فارس کی ولایت سے ہٹا کر موصل کی ولایت سپرد کر دی گئی اور وہ منصور کی وفات تک موصل کا گورنر رہا۔ اس کی وفات مہدی کی خلافت کے اوائل میں، یعنی ۱۶۳ھ میں ہوئی[1]۔

---

[1] خالد کی وفات کا سنہ وفات مصنف نے صحیح نہیں لکھا اس کے انتقال کی صحیح تاریخ یکم شعبان ۱۶۵ھ روز پنجشنبہ مطابق ۲۱ مارچ ۷۸۲ء ہے۔ البرامکہ صفحہ ۶۶ (مترجم)

خالد کا بیٹا یحییٰ برمکی تھا جو علم، ادب، فضیلت، شرافت اور سخاوت میں یکتائے زمانہ گزرا ہے۔ اس کے والد نے اس کی تربیت بہت اچھی طرح کی۔ دولتِ عباسیہ کے قیام کے وقت اس کی عمر بارہ سال کی تھی چنانچہ اُس نے خلافت کے سائے میں پرورش پائی۔ محرم ۱۵۸ھ یعنی نومبر ۷۷۴ء میں منصور نے اسے آذربائیجان کی ولایت کے لئے منتخب کیا۔ آذربائیجان کا علاقہ بہت ہی اہم سرحدی علاقہ تھا۔ خلفاء عباسیہ سرحدوں کی ولایت انہی لوگوں کو سپرد کرتے تھے جن پر انھیں پورا پورا بھروسہ ہوتا تھا۔ اُس نے وہاں کی ولایت اس خوش اسلوبی سے سنبھالی۔ جس طرح اس کے والد نے فارس اور موصل کی سنبھالی تھی۔ منصور کی وفات تک وہ آذربائیجان کا والی رہا۔

۱۶۲ھ ۷۷۹ء میں مہدی نے اسے اپنے بیٹے ہارون کا کاتب اور اتالیق مقرر کیا۔ وہ اسے سلطنت کے امور سے آگاہ کرتا تھا اور اس کی تعلیم کا بندوبست کرتا تھا۔ ہارون اسے والدِ محترم کہہ کر خطاب کرتا تھا کیونکہ یحییٰ کی بیوی ام فضل نے ہارون کو اپنا دودھ پلایا تھا اور ہارون کی والدہ خیزران نے یحییٰ کے لڑکے فضل کو اپنا دودھ پلایا تھا۔ یحییٰ نے اپنے شاگرد کی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اسی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہارون میں دقتِ نظر، وسعتِ علم اور سلطنت کے امور احسن طریق پر انجام دینے کی وہ صلاحیت پیدا ہوگئی جو اس کے بعد کسی خلیفہ میں پیدا نہ ہو سکی۔

اسی زمانے میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ ۷۷۹ء میں مہدی نے ارادہ کیا کہ وہ خود محاذِ جنگ پر جا کر رومیوں سے مقابلہ [illegible]

ہو گیا۔ خلیفہ کا ہارون کو اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بیٹا مہماتِ مملکت اور دفاعی امور میں ابھی سے مہارت حاصل کر لے۔ جب لشکر رومی قلعوں کے قریب کلیکیہ کے نواح میں پہنچا تو بعض مجبوریوں کی بنا پر خلیفہ نے خود واپسی کا ارادہ کیا اور اپنے بجائے لشکر کی قیادت ہارون کے سپرد کر دی یحییٰ برمکی کو بھی اس کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ "میں تمہیں ہارون کے ساتھ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ مجھے تم سے زیادہ لائق کوئی آدمی نظر نہیں آتا جو لشکر کا کُل انتظام اپنے ہاتھ میں لے سکے چونکہ تم ہارون کے مربّی اور اتالیق ہو اور اپنا فرض اچھی طرح سرانجام دیتے ہو اس لئے میں تمہیں اس کے ساتھ بھیجتا ہوں۔"

ہارون کو جس وقت لشکر کی قیادت سپرد کی گئی تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے اہم ذمہ داری کا کوئی کام سپرد کیا گیا تھا۔ وہ فوج لے کر آگے بڑھا اور سمالو ما کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ اڑتیس روز جاری رہا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ قلعہ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا تو اس نے قلعے کے سامنے منجنیق نصب کر دی اور اہالیانِ قلعہ پر واضح کر دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ منجنیق دیکھ کر قلعے والوں نے مارے خوف کے ہار مان لی اور اس شرط پر ہتھیار ڈال دئے کہ:

(۱) ان کی جان بخشی کر دی جائے گی۔

(۲) انھیں قلعہ ہی میں رہنے دیا جائے گا۔

(۳) جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

ہارون نے یہ شرطیں قبول کر لیں۔ جس پر قلعے والوں نے بلا پس و پیش

فوراً دروازے کھول دئے۔ ہارون الرشید نے بھی اپنے وعدے کو پورا کیا اور اہالیانِ قلعہ سے بڑی نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔

خلیفہ نے جب اس فتح کی خبر سُنی تو وہ بے حد خوش ہوا اور اس نے ہارون کو شمالی افریقہ، آذربائیجان اور آرمینیا کی ولایت سپرد کر دی۔ یحییٰ برمکی کو اس نے ہارون کے ساتھ ہی رہنے کا حکم دیا۔

اس فتح کی خبر بغداد اور نواحی علاقوں میں پھیل چکی تھی۔ لشکر کی واپسی سے پہلے ہی ارد گرد کے علاقوں سے لوگ جوق در جوق بغداد میں لشکر کا استقبال کرنے اور اپنے عزیزوں سے جو اس لشکر میں شامل تھے ملنے اور انھیں مبارکباد دینے کے لئے آنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ شہر میں لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ جس وقت لشکر دارالخلافے میں داخل ہوا تو بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا گیا جب ہارون مظفر و منصور ہو کر نہایت شاداں و فرحاں مع افواج کے واپس آیا اور محل میں داخل ہوا تو خیزران نے بڑی محبت اور فرحت و مسرت کے ساتھ بیٹے کو گلے سے لگایا۔ اس موقع پر صرف ایک چیز تھی جو اس کی خوشی کو مکدر کر رہی تھی اور وہ یہ خبر تھی کہ مہدی کے بعد خلافت ہادی کو ملے گی ہارون کو نہیں خیزران کی دلی خواہش تھی کہ اس کے خاوند کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا ہارون خلیفہ بنے۔ مگر یہ خبر سُن کر اس کی ساری آرزوؤں اور اُمنگوں پر پانی پھر گیا۔

تاہم خیزران ایسی عورت نہ تھی جو اس فیصلے کے بعد تقدیر پر شاکر ہو کر خاموش بیٹھ جاتی۔ جونہی اس نے یہ خبر سُنی فوراً اپنی عقلمندی اور ذکاوت کو عمل میں لا کر ایسی [illegible]

کرکے اپنے بعد ہارون کو خلافت کے لئے نامزد کر دے۔

اس موقعے پر اتفاقی حادثات نے بھی خیزران کی مساعی کو تقویت پہنچائی۔ ہوا یہ کہ رومیوں نے شکست کھانے کے بعد اپنی قوتیں دوبارہ مجتمع کیں اور ایشیائے کوچک پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر روانہ کر دیا۔ ہارون ایک لاکھ سپاہ اپنے ہمراہ لے کر رومیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ خلیفہ کا وزیر 'ربیع' اور سپہ سالار 'یزید بن مزید' بھی تھا۔ اس مرتبہ ہارون نے پختہ ارادہ کر لیا کہ لڑائی کو اپنی سرحدوں سے رومیوں کی سرزمین میں منتقل کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کر دے گا۔ ہارون کو اپنے ارادہ میں بہت حد تک کامیابی ہوئی۔ یزید بن مزید نے رومیوں کے بطریق 'نیتساس' کو شکست دی اور ہارون رومیوں کے سپہ سالار 'نیکومودس' پر غالب آ گیا اور عرب کے شہسواروں نے آگے بڑھ کر اپنے خیمے قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے سامنے نصب کر دیئے۔

اگرچہ عربی فوجیں اس وقت قسطنطنیہ پر قبضہ نہ کر سکیں اور شہر کی فتح سات سو سال بعد وقوع میں آئی لیکن ہارون نے رومیوں کی ملکہ ایرینی کو اپنی پیش کردہ شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ تین سال کے لئے معاہدہ صلح لکھا گیا اور نوّے ہزار دینار سالانہ جزیہ مقرر ہوا۔ ملکہ ایرینی نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اپنے علاقے میں اسلامی لشکر کی خوراک اور آرام و آسائش کے لئے ہر قسم کا انتظام کرے گی کیونکہ ہارون جس راستے سے اپنی فوج لے کر رومی مملکت میں داخل ہوا تھا وہ بہت کٹھن اور دشوار گذار تھا اور اس راستے سے گزرنے پر اسلامی لشکر کو بہت سی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسی کارنامے نے ہارون کی شہرت میں چار چاند لگا دئیے۔

جب مہدی نے اپنے چھوٹے بیٹے کی یہ شجاعت اور علو ہمتی دیکھی تو اس نے ارادہ کیا کہ اپنے پہلے فیصلے کو منسوخ کر کے بجائے ہادی کے ہارون کو ولی عہد مقرر کر دے لیکن موت نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس فیصلے کا اعلان کر سکتا کیونکہ اس واقعہ کے چند روز بعد ہی وہ دنیا سے چل بسا اور ہادی نے خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے[1] لی۔

---

[1] ہادی ماہ صفر کی چاند رات کو ۱۶۹ھ ۵[illegible]ء میں تخت پر بیٹھا (مترجم)

ہادی کی تخت نشینی

خیزران کی خواہش کے خلاف جب مہدی نے بجائے ہارون کے ہادی کو ولی عہد بنایا تو ملکہ خیزران کو اس سے سخت رنج پہنچا۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح ہارون کو ایک لمبی مدت کے بعد خلافت نصیب ہوگی بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ بڑے بھائی کی زندگی میں ہارون کی وفات ہو جائے اور اسے خلیفہ بننے کا موقعہ ہی نہ مل سکے یا ہادی اپنی خلافت کے دوران میں ہارون کو ولی عہدی سے ہٹانے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی کوشش کرے۔

ہارون ذاتی طور پر ایسا شخص نہ تھا کہ خلافت کے حصول کے لئے اپنے بھائی کے بالمقابل کھڑا ہوتا۔ وہ بہت نرم دل اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا۔ خیزران کو اس کی اس کمزوری کا پتہ تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ہارون کے عہد خلافت میں اصل اقتدار اسی کے ہاتھ میں رہے گا اور محل کے سیاہ و سفید کی وہی مالک ہوگی اور ہارون کو خلافت کے امور میں اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہوگی کہ وہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے فوجوں کے انتظام و انصرام میں حصہ لے۔ اس کا زیادہ تر وقت اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ گزرا کرے گا اور اس کی بیشتر توجہ اپنی گھریلو زندگی کو پُر مسرت بنانے پر مرکوز رہے گی۔

خیزران نام و نمود کی بڑی شائق، شان و شوکت کی بہت دلدادہ،

رعب وداب کی بے حد خواہش مند اور امور سلطنت پر حاوی ہونے کے لیئے نہایت درجہ بے چین تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ صرف اسی کے مددگار خیرخواہ اور تابع لوگ سلطنت کے مناصب پر فائز ہوں۔

خیزران کا یہ سارا شاہانہ پروگرام صرف اسی وقت پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا جب سلطنت کی باگ ڈور اس کے اپنے ہاتھ میں ہو اور وہ جو چاہے کرے، اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔

خیزران کو اس بات کا پکّا یقین تھا کہ اگر ہارون تخت حکومت پر بیٹھ گیا تو اس کی دلی مُراد بر آئے گی اور وہ امورِ سلطنت پر کامل طور سے حاوی رہے گی لیکن ہادی کے خلیفہ ہونے کی صورت میں اس کی ان بلند خواہشات کا پُورا ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ ہادی ارادے کا پکّا اور دل کا سخت تھا اور کسی شخص کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔

ادھر خیزران بھی دھن کی پوری، عزم و ارادہ کی پکّی اور بڑی عقلمند عورت تھی۔ وہ برابر ہادی کو ولی عہدی سے ہٹانے اور ہارون کو اس کی بجائے ولی عہد بنانے کی کوششوں میں منہمک تھی۔ خیزران کا خلیفہ مہدی پر بہت زبردست اثر تھا۔ پہلے یہ اس کی لونڈی تھی لیکن بعد میں اس نے اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تھا۔ اگرچہ مہدی کی اور بھی بیویاں تھیں لیکن جو رابطہ خیزران اور اس کے لڑکوں، ہادی اور ہارون سے تھا وہ دوسری بیویوں اور ان کے بچوں سے نہ تھا۔ ان بیویوں میں سے کسی کو بھی یہ خیال پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ولی عہدی کے لئے اپنے کسی لڑکے کے متعلق کوشش کریں۔

مہدی کی زندگی میں خیزران محلاتِ شاہی کے سیاہ و سفید کی مالک اور امورِ سلطنت پر پوری طرح حاوی تھی۔ اس کے سامنے خلیفہ چوں بھی نہیں کر سکتا تھا اور نہ اس کے کسی مطالبے کو مسترد کر سکتا تھا۔ خلیفہ کے دل میں اس کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ اس نے اسے دس ہزار لونڈی غلام دیئے لیکن اسی دن شام کو وہ کسی بات پر ناراض ہو کر خلیفہ سے کہنے لگی۔ " مجھے بتاؤ تو سہی تم نے میرے لئے آج تک کیا کیا ہے ؟"

اپنے اس اقتدار اور اثر و رسوخ کو کام میں لاتے ہوئے اس نے ہارون کی ولی عہدی کے لئے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ چنانچہ جب بھی موقع ملتا وہ اپنے شوہر سے ہارون کے کسی حُسنِ خلق اور اس کی جرأت و بہادری کی تعریف شروع کر دیتی۔ یحییٰ برمکی بھی جو ہارون کا اتالیق تھا اپنی اغراض کے لئے خیزران کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا تھا۔

آخر خیزران کی مسلسل کوشش اور دباؤ سے متاثر ہو کر خلیفہ نے ہادی کی جگہ ہارون کو ہی ولی عہد بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں ہادی جرجان میں تھا۔ خلیفہ نے اسے اپنے حضور طلب کیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اس لئے اس نے اپنے والد کے پاس آنے میں حیلے بہانے سے کام لیا اور نہ آیا، مجبوراً مہدی خود اس سے ملنے کے لئے روانہ ہوا لیکن راستے میں ہی اسے پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ چالیس سال کی عمر پا کر اگست ۷۸۵ء (۱۶۹ھ) میں اس دُنیا سے رخصت ہو گیا۔

مہدی کی اچانک وفات سے خیزران، ہارون اور یحییٰ کے منصوبے ناک

ہیں مل گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ کیا خلیفہ کی موت کی خبر کو
ابھی چھپایا جائے اور ہارون فوج کی مدد سے اپنے بھائی کو خلافت سے الگ
کرنے کی کوشش کرے؟ یا ہادی کی بیعت کر لی جائے اور انتظار کیا جائے
کہ آئندہ کیا وقوع میں آتا ہے؟

بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد دوسری تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ ہوا اور
یہی بات درست بھی تھی کیونکہ اگر پہلی رائے پر عمل کیا جاتا تو ملک میں بہت خونریزی
ہوتی اور نہ معلوم اونٹ کس کروٹ بیٹھتا۔ چنانچہ ہارون نے اپنے بھائی کو بذریعہ
خط اپنے والد کی وفات کی خبر دی اور لکھا کہ "فوراً دارالخلافے میں تشریف لے
آئیے تاکہ آپ کی بیعت کی جائے۔"

جب بغداد میں خلیفہ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو وہاں فتنے کے آثار نمودار
ہونے شروع ہوئے۔ خیر زان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فتنہ بالآخر ہارون کے حق
میں مفید ثابت ہو سکتا ہے اس لئے اسے دبانے کے بجائے اور
بھڑکانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ لیکن یحییٰ بن خالد کی دوررس نگاہوں نے تاڑ لیا
کہ نئے خلیفہ کے دارالحکومت پہنچنے سے پہلے یہاں فتنہ اور اضطراب پھیلنا ہارون
کے حق میں بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوگا۔ اس لئے اس نے فتنے کو دبانے
کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فوج کو دو ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی اور اس طرح فوج
کو قابو میں لا کر شہر میں امن قائم کرا دیا اور فتنے کی چنگاریاں دبا دیں۔ یحییٰ کا یہ خیال
تھا کہ یہ بات ہرگز مناسب نہ ہوگی کہ ہادی دارالخلافے میں اس حالت میں داخل ہو کہ
یہاں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہوں کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ فوراً ہارون کی طرف

سے کھٹک جائے گا اور لازماً یہ خیال کرے گا کہ میرے خلاف یہ فتنہ و فساد ہارون نے کھڑا کیا ہے۔ اس لئے وہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑے گا۔

یہ سوچ کر یحییٰ نے ملکہ خیزران کو مشورہ دیا کہ یہ وقت بہت نازک ہے۔ اس موقع پر ذراسی بے تدبیری کا نتیجہ بہت خراب ہو سکتا ہے۔ اس حالت میں ہارون کو برسرِ اقتدار لانے اور مسند خلافت پر بٹھانے کے لئے بہت سوچ سمجھ کر اور آہستہ آہستہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

خیزران کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اور اُس نے دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ہارون کی خلافت کے لئے کسی دوسرے مناسب موقع کا انتظار شروع کر دیا۔

ہادی بن مہدی

ملکہ خیزران کو ایک نئے انقلاب سے دوچار ہونا پڑا تھا اور اسے اپنی تمام آرزوئیں خاک میں ملتی نظر آرہی تھیں۔ تاہم اس نے اپنی پہلی زندگی کے ان طور طریقوں میں، جو اس کے شوہر مہدی کے زمانے میں تھے، کسی قسم کی تبدیلی نہ کی۔ اب بھی اس کا محل عامۃ الناس، ادباء، شعراء، اراکین سلطنت اور حاجت مندوں سے بھرا رہتا تھا۔ اس کی سالانہ آمدنی کا کچھ شمار نہ تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کا اندازہ سولہ کروڑ درہم سالانہ لگایا ہے۔ اپنی اس آمدنی کا ایک کثیر حصہ وہ اپنی شاہانہ ضروریات پر خرچ کرتی تھی۔ دولت کی بہت بڑی مقدار لوگوں کو انعام و اکرام دینے میں صرف کرتی تھی اور بہت بڑی رقم آئندہ پیش آنے والے متوقع اور غیر متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پس انداز بھی کرتی تھی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خیزران جاہ و حشم اور شان و شوکت کی بے حد دلدادہ تھی۔ وہ اپنی کثیر آمدنی کو اپنے اس شوق کے پورا کرنے کے لئے بے دریغ صرف کرتی تھی۔ اس کا محل خوبصورتی اور وسعت میں خلیفہ کے محل سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ جس قدر لوگ اس کے پاس اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو لے کر آتے تھے اتنے خلیفہ کے پاس بھی نہ آتے تھے۔ وہ اپنے محل کے سب سے بڑے کمرے میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی تھی۔ اس کے اردگرد بنو ہاشم

کی معزز ترین عورتیں بیٹھی ہوتی تھیں اور مختلف وفود، نیز سلطنت کے سرکردہ اراکین امراء اور لشکروں کے سپہ سالار اس کے پاس روزانہ آتے رہتے تھے۔

یہ سب کچھ وہ محلات شاہی میں اپنا رعب و داب قائم رکھنے اور اراکین سلطنت کو اپنی مٹھی میں کرنے کے لئے کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ حکومت کے جملہ اراکین اس کے اپنے خاص آدمیوں میں سے ہوں تاکہ اگر کوئی ناگہانی حادثہ پیش آئے تو اسے ان لوگوں کی مکمل حمایت حاصل ہو اور وہ اس کی اغراض اور اس کی سیاست کو بروئے کار لانے میں اس کے مددگار ثابت ہوں۔

کچھ عرصے بعد عامۃ النّاس میں بھی ملکہ کے اغراض و مقاصد اور سلطنت کے کاموں میں اس کی مداخلت کا چرچا عام ہونے لگا۔ ایک شاعر نے تو اسے مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا:

"خیزران! اب بس کرو اور اپنے بیٹے کو حکومت کرنے دو۔"

لیکن اس نے لوگوں کے کہنے سننے کی قطعاً پروانہ کی اور بالکل بے خوف اور نڈر ہو کر اپنی سیاست کا تانا بانا بننے میں مصروف رہی۔

خیزران مہدی پر حکومت کر چکی تھی۔ وہ اس بات کو کس طرح برداشت کر سکتی تھی کہ ایک پچیس سالہ نوجوان اس کی حکم عدولی کرے اور اس کے اثر سے آزاد ہو کر اپنی من مانی کارروائیاں کرے۔ ہادی بھی اس وقت اتنا لاچار تھا کہ اپنی والدہ کے کہنے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ وہ اس انتظار میں تھا کہ کب کوئی مناسب موقع ملے اور وہ اپنی والدہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرے۔ لیکن اسے کبھی ایسا موقع میسر نہ آیا اور یہ ارادہ اس کے دل ہی میں رہا

ہارون کے خصائل اپنی والدہ کے بالکل اُلٹ تھے۔ اس کا تمام کام اُس کا اتالیق یحییٰ برمکی اپنے مخصوص زاویہ نگاہ کے ماتحت سرانجام دیتا تھا۔ وہ برابر ہارون کو پھونک پھونک کر قدم اُٹھانے کی تاکید کرتا رہتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک نجومی نے خبر دی تھی کہ ہادی کا زمانہ خلافت بہت قلیل ہوگا۔ اس بنا پر وہ ہارون سے کہا کرتا تھا کہ ہمیں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے ہارون کو صلاح دی کہ وہ اس عرصے میں اپنی نجی زندگی کو خوشگوار بنائے۔ اکثر سیر و تفریح اور شکار کے لئے جنگل میں نکل جایا کرے۔ ولی عہد کو عیش و عشرت کے جو مواقع میسّر ہوتے ہیں۔ ان سے پورا فائدہ اُٹھائے۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جس کا انتظار مدت سے ہو رہا ہے۔ اُس نے ہارون پر اچھی طرح یہ بات واضح کر دی تھی کہ حسنِ سیاست کا تقاضا یہ ہے کہ خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کے دلوں پر یہ اثر ڈالا جائے کہ ہارون کو خلافت کی کوئی آرزو اور تمنّا نہیں ہے بلکہ وہ اپنا سارا وقت مسرت و عیش، سیر و تفریح اور شکار میں گزارتا ہے۔

ہادی کو بھی نجومی کی پیشگوئی سے اپنے متعلق اتنا ہی فکر تھا جتنا اس کے بھائی اور بھائی کے اتالیق کو تھا۔ اسے ہارون پر کامل بھروسہ نہ تھا۔ اکثر وہ اس سے کہا کرتا تھا:

"تم نجومی کی باتوں پر بہت سوچ بچار کرتے رہتے ہو ذرا اپنے بچاؤ کا خیال بھی رکھو۔"

ہارون یہ سُن کر ہنس پڑتا اور میٹھی میٹھی باتیں بنا کر اپنے بھائی کو اپنے اخلاص اور دلی تعلق کا یقین دلاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہادی کچھ عرصے کے بعد اپنے بھائی کی

میٹھی میٹھی باتوں کو دلچسپی سے سننے لگا اور اس سے اس رنج و فکر کا بار دور ہو گیا جو خلافت کے متعلق وقتاً فوقتاً اس پر مسلط رہتا تھا۔ چنانچہ وہ مطمئن ہو کر پھر سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ زمانوں میں بادشاہوں کو پُر لطف اور خوشگوار زندگی کبھی بھی میسر نہیں آتی تھی۔ ہر بادشاہ کو اپنی جان کا خوف دامن گیر رہتا تھا اور اسے اپنے قریب ترین اعزائنک کا بھروسہ نہیں ہوتا تھا۔ بادشاہ اپنی جان سے بے خوف ہو بھی کس طرح سکتے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے بعض کو خنجر سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ بعض کو زہر پلا کر ختم کر دیا گیا تھا اور بعض کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا تھا۔ اس لئے ان بادشاہوں کے شب و روز کے اکثر حصے اسی فکر و اندیشے میں گزر جاتے تھے کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کریں؟ اور ان کے بعد ان کے بیٹوں کو امن و چین کی حکومت کس طرح نصیب ہو؟ چنانچہ خلیفہ ہادی کے اختیار میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو ان تفکرات سے آزاد رکھ سکتا۔

ہادی کا ایک چھوٹا سا لڑکا، جعفر تھا۔ خلافت کے حصول کے بعد ہادی کے دل میں اکثر یہ خیال گزرتا تھا کہ کیوں نہ اس کے بعد اس کا بیٹا خلیفہ بنے؟ اور کیوں نہ وہ اپنے بھائی ہارون کو اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہونے پر مجبور کرے؟

خلیفہ کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ شاہی خاندان کے افراد، امراء سلطنت اور قوم کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنی رائے کا ہمنوا بنا سکے لیکن سیاسی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ یحییٰ برمکی کو بھی جعفر کی ولی عہدی کے لئے راضی

کیا جائے کیونکہ یحییٰ برمکی حکومت کا بہت بڑا ستون تھا اور اس کی مرضی کے بغیر کوئی کام صحیح طور پر انجام نہیں پا سکتا تھا۔

مورخین ذکر کرتے ہیں کہ جب ہادی کے دل میں اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانے اور ہارون کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا خیال پیدا ہوا تو کئی سپہ سالاروں اور شاہی خاندان کے افراد نے ہادی کے خیال کی حمایت کرنی شروع کر دی اور ہارون سے برملا نفرت کا اظہار کرنے لگے۔

بالآخر ہادی نے یہ حکم دیا کہ آئندہ ہارون کے آگے کوئی نیزہ بردار نیزہ لے کر نہ چلے (نیزہ ولی عہدی کا نشان تھا) ایک دن ہارون اور جعفر بن ہادی گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک پل سے گزرنے لگے۔ پولیس کا ایک افسر ابوعصمہ، ہارون کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

"ذرا ٹھہر جائیے۔ ولی عہد کو گزر جانے دیجئے۔"

ہارون نے جواب میں کہا:

"بہت بہتر، مجھ سے غلطی ہوئی۔"

چنانچہ وہ ٹھہر گیا اور جب تک اس کا بھتیجا پل پر سے نہ گزر گیا وہ وہیں کھڑا رہا۔

ان باتوں کو دیکھ کر لوگ ہارون سے اجتناب کرنے لگے۔ کوئی شخص اسے سلام کرنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ صرف ایک یحییٰ بن خالد تھا جو ہر وقت ہارون کی خیر خواہی میں لگا رہتا تھا، اور کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے ہادی سے شکایت کی کہ ہارون خود تو ولی عہدی سے دستبرداری

پر آمادہ ہے لیکن یحییٰ اسے اس ارادے سے باز رکھ رہا ہے اور یہ کہہ کر جب مہدی نے اُسے ایک حق دیا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے حق سے دست بردار ہو۔ اُسے آپ کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔

واقعہ بھی یہی تھا کہ ہارون دست برداری پر آمادہ تھا لیکن یحییٰ اُسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔ ہارون نے یحییٰ سے کہا تھا کہ میں سلطنت کے بکھیڑوں اور جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی (زبیدہ) کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کروں لیکن یحییٰ نے اُسے سمجھایا کہ تمھیں کیا پتہ ہے کہ ولی عہدی سے دست برداری کے بعد لوگ تمھیں تمھاری مرضی اور خوشی کے مطابق زندگی بسر کرنے دیں بھی یا نہ دیں۔

جب ہادی کے پاس یحییٰ کی شکایتیں پہنچیں تو اُس نے اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور کہنے لگا:

"تم میرے بھائی کے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہو اور اسے میرے خلاف کیوں بھڑکا رہے ہو؟"

یحییٰ نے جواب دیا" امیرالمومنین! میں کون ہوں جو آپ دونوں کے معاملات میں دخل دوں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آپ کے والد محترم نے مجھے ہارون کے ساتھ رہنے اور اس کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا تھا چنانچہ میں نے ان کے حکم کے مطابق اپنے فرائض ادا کئے۔ آپ کے والد محترم کے بعد آپ نے بھی یہی کام میرے سپرد کیا۔ میں تو آپ کے احکامات بجا لاتا ہوں اور جو کام میرے سپرد ہے۔ اس کے متعلق کوشش کرتا ہوں کہ وہ احسن طور پر انجام پائے۔"

ہادی سے یحییٰ کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اب یحییٰ کو موقعہ مل گیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں ہادی سے وقتاً فوقتاً گفتگو کر سکے۔ چنانچہ ایک دن اُس نے موقع پا کر پھر اس ذکر کو چھیڑا اور کہنے لگا:

"امیر المومنین! جعفر کو ولی عہد بنانا اتنا آسان نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ آپ یہ سوچئے کہ کیا لوگ جعفر کی خلافت کو قبول بھی کر لیں گے؟ وہ تو ابھی بالغ بھی نہیں ہوا۔ لوگ کس طرح اُس کی قیادت میں جہاد کرنے پر راضی ہوں گے؟"

ہادی نے کہا۔ "واقعی یہ باتیں تو قابلِ غور ہیں۔"

یحییٰ نے پھر کہا:

"امیر المومنین! اگر آپ نے ہارون کی جگہ جعفر کو ولی عہد بنا بھی دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ جعفر کی طفولیت ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا تو اس کی کم سنی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوگ اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے تخت سے اتار دیں گے اور اپنے حسب منشا کسی اور کو خلیفہ بنا لیں گے۔ اس طرح آپ کے خاندان کے ہاتھوں سے خلافت نکل جائے گی۔"

ہادی نے کہا۔ "میرا ان باتوں کی طرف پہلے کبھی دھیان نہیں گیا تھا۔ اس وقت تم نے مجھے پیش آمدہ خطرات سے متنبہ کیا ہے۔" گفتگو جاری رکھتے ہوئے یحییٰ نے کہا:

"جعفر ابھی کم سن ہے اور خلافت کے کسی طرح بھی قابل نہیں۔ اگر ہارون ولی عہد نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ جعفر کو ولی عہدی سونپ دیتے چہ جائیکہ اصلی حق دار کے ہوتے ہوئے جسے آپ کے والد محترم نے مقرر فرمایا

تھا۔ آپ جعفر کو ولی عہد بنا رہے ہیں۔ امیر المومنین! آپ ابھی اس معاملے کو اسی طرح رہنے دیں۔ جب خدا تعالیٰ کے فضل سے جعفر بالغ ہو گا اور خلافت کا کام سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔ تب میں ہارون کو خود اس کے پاس لاؤں گا اور میں ذمہ لیتا ہوں کہ اس وقت ہارون خلافت سے دست بردار ہو جائے گا اور وہ سب سے پہلا شخص ہو گا جو جعفر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔"

ہادی نے یحییٰ کے قول و قرار کو قبول کر لیا اور اُسے رخصت کی اجازت دے دی۔

ہادی کو جعفر کی ولی عہدی کے سلسلے میں یحییٰ کی رائے کی صحت کا یقین ہو گیا تھا اور اُس نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہارون کو ولی عہدی سے دست بردار نہیں کرے گا لیکن اُس کے مشیروں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہ اُسے برابر اس بات پر اُکساتے رہے کہ ہارون کو دست بردار ہونے پر مجبور کیا جائے۔ آخر لوگوں کے اُکسانے سے وہ اپنی بات پر قائم نہ رہا اور ہارون پر پھر دباؤ ڈالنے لگا کہ وہ جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر یحییٰ نے ہارون کو مشورہ دیا کہ وہ ہادی سے شکار کی اجازت لے کر کسی دُور دراز مقام پر چلا جائے اور وہاں دن گزارے۔

ہارون نے یہ بات مان لی اور ہادی سے شکار کی اجازت طلب کی۔ ہادی نے اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ چند روز تک ضرور واپس آجانا۔ ہارون محل سے نکلا اور "قصر مقاتل" چلا گیا۔ وہاں وہ چالیس روز تک مقیم رہا۔ ہادی کو یہ بات بہت شاق گزری اور اسے ہارون کی اتنی لمبی غیر حاضری کی وجہ سے بہت تردد ہونے لگا۔

اُس نے اُسے بار بار واپس آنے کے لئے لکھا لیکن وہ برابر حیلے بہانوں سے کام لیتا رہا۔ اب حاسدوں کی بن آئی اور اُنھوں نے ہادی کو بھڑکانا شروع کیا کہ ہارون کا اتنے دُور دراز مقام پر جانا بھی اُس کی ایک چال ہے تا کہ وہ وہاں بیٹھ کر آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر سکے۔

خلیفہ کے دربار میں فضل بن یحییٰ موجود تھا جو یحییٰ اور ہارون کی قائم مقامی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ اپنے والد کو خفیہ خفیہ دربار کے سارے حالات باقاعدہ اور مسلسل لکھتا رہتا تھا۔

ان شکائتوں پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ہادی نے یحییٰ کو دوبارہ دربار میں طلب کیا۔ اس دفعہ اُس نے یحییٰ کو اپنے ڈھب پر لانے کے لئے دوسرا طریقہ استعمال کیا۔ اس بار اس سے بحث و تمحیص کرنے کے بجائے اسے یہ لالچ دیا گیا کہ اگر وہ ہارون کو اس کے بیٹے جعفر کے حق میں دست بردار ہونے پر رضامند کر لے تو وہ اسے کثیر انعام واکرام سے نوازے گا۔ لیکن یحییٰ ہادی کی باتوں میں نہ آیا اور صاف صاف کہہ دیا:

"امیر المومنین! اگر آپ نے اپنا عہد توڑ دیا تو لوگ کہیں گے کہ جب خلیفہ کو بھی اپنا عہد توڑ دینے اور قول و قرار سے پھر جانے کی جراُت ہو سکتی ہے تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے نزدیک عہد و پیمان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ البتہ اگر آپ ایسا کرنے کے بجائے یہ کریں کہ ہارون کو ولی عہدی پر برقرار رکھنے کے ساتھ ہارون کے بعد جعفر کی تخت نشینی کا اعلان فرمادیں تو یہ بات ہارون سے زیادہ جعفر کی تخت نشینی کے لئے مضبوط ضمانت ہو جائے گی۔"

جب یحییٰ کو مجھانے بجھانے کے تمام طریقے ناکام ہوگئے تو ہادی کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اُس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب وہ ہارون اور اُس کے مددگاروں کو سخت سزائیں دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

اسی دوران میں ایک دن اُس کی والدہ خیزران اُس کے پاس آئی اور اس سے اپنے ایک خاص آدمی کو بڑے منصب پر فائز کرنے کی سفارش کی۔ ہادی پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُس کی والدہ اس سے زیادہ ہارون سے محبت کرتی ہے اور ہارون کو اُس پر ترجیح دیتی ہے اس لئے اُس نے اپنی والدہ کو بہت بُرا بھلا کہا اور مجلس میں جو رؤسا اور فوج کے سردار بیٹھے تھے انھیں حکم دے دیا کہ آئندہ ان میں سے کوئی شخص اپنی کوئی غرض لے کر اُس کے پاس نہ جائے۔

خیزران اپنی یہ بے عزتی کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔ اسے شدید غصّہ آیا اور اسی حالتِ غیض و غضب میں اپنے محل میں لوٹ آئی۔ واپس آکر اُس نے اپنی بعض کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ رات کو ہادی کے محل میں چلی جائیں اور جب وہ سو جائے تو تکیہ اُس کے منہ پر رکھ کر اس پر بیٹھ جائیں یہاں تک کہ اس کا دم نکل جائے۔ چنانچہ کنیزوں نے ایسا ہی کیا اور خلیفہ کو مار ڈالا۔

بعض مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ ہادی نے یحییٰ بن خالد کو قید کر دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ اسے اگلے دن صبح کو قتل کر دیا جائے۔ جب خیزران کو اس کا پتہ چلا تو اُس نے ہادی کو مروانے کے لئے مندرجہ بالا تدبیر اختیار کی۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ہادی کو زہر دے کر مروا دیا گیا تھا۔ اس کے

ثبوت میں وہ ایک خط پیش کرتے ہیں جو خیزران نے یحییٰ کو لکھا اور اس میں اسے بتایا تھا کہ 'وہ شخص' بیمار ہے اس کا آخری وقت آپہنچا ہے اور اب وہ ضرور مر جائے گا اس لئے مناسب تیاری کرو۔

ادھر یحییٰ نے ہارون کی خلافت کے اعلان کے لئے پوری تیاری کر لی تھی اور ہارون کی طرف سے تمام عمال کے نام ہادی کی وفات کے خطوط بھی تیار کر لئے تھے۔ چنانچہ جب ہادی مر گیا تو اُس نے فوراً تمام عمال کو وہ خطوط بھجوا دئے۔

ہادی کی وفات رات کے وقت شہر 'عیسیٰ آباد' میں ہوئی تھی۔ عین اس وقت جب ہارون الرشید نے خلافت کا کام اپنے ہاتھوں میں لیا، لوگوں نے آ کر خبر دی کہ اس کے ہاں لڑکا (مامون الرشید) پیدا ہوا ہے۔ یہ رات بھی عجیب رات تھی اس میں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا۔ دوسرا خلیفہ تخت پر بیٹھا اور تیسرا خلیفہ[1] پیدا ہوا۔

مصنف جوامع الحکایات نے ہادی کے انتقال کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک روز رات کے وقت فوج کے سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو ہادی نے محل میں بلا کر حکم دیا کہ "ابھی جا کر میرے بھائی ہارون کو قتل کر ڈالو۔ اس کے بعد جیل خانے میں جتنے آل ابو طالب قید میں ہیں سب کو دریائے دجلہ میں غرق کر دو۔ پھر فوج لے کر جاؤ اور کوفے کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔

---

[1] ہارون الرشید ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۷۸۶ء شنبہ کی رات کو تخت نشین ہوا۔ (مترجم)

تباہی اور قتل و غارت کا یہ عجیب حکم دینے کے بعد ہادی محل میں چلا گیا اور ہرثمہ گھر آگیا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟ اسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی۔

ابھی تھوڑی دیر سویا تھا کہ ایک شاہی غلام نے آکر جگایا اور کہا۔ "اُٹھیئے! محل میں آپ کی طلبی ہوئی ہے۔" وہ سمجھا کہ مجھے خلیفہ نے قتل کے لئے بلایا ہے کہ اب تک تعمیل حکم کیوں نہیں کی۔ اُفتاں و خیزاں محل میں پہنچا۔ خیزران نے فوراً اندر بلا لیا اور کہا "ہرثمہ! ہادی نے ابھی ابھی انتقال کیا، یہ اس کی لاش پڑی ہے۔ اب تو یحییٰ برمکی کے پاس جا اور اس سے کہہ کہ ہارون کی بیعت کا فوراً انتظام کرے۔"

ہرثمہ ہادی کی لاش دیکھ کر حیران ہو گیا اور اُس نے خیزران سے واقعہ پوچھا۔ خیزران کہنے لگی کہ "جب تجھے ہارون کے قتل، آل ابوطالب کی تباہی اور کوفے کی مسماری کا حکم دے کر ہادی محل میں آیا تو میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑ کر ہارون کی جان بخشی کی درخواست کی۔ میں نے اپنا سر اُس کے قدموں میں رکھ دیا اور اُسے خدا اور رسولؐ کا واسطہ دے کر رحم کی التجا کی۔ مگر ہادی نے بڑی سختی سے جواب دیا اور کہا کہ اگر تم بولیں تو ابھی تمہاری گردن تلوار سے اُڑا دوں گا۔ اس پر میں خاموش ہو کر بڑے درد سے ہادی کے حق میں بددعا کرنے لگی۔ اتنے میں ہادی سو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اُسے نہایت شدید کھانسی اُٹھی اور گلے میں پھندا پڑ گیا۔ میں نے جلدی سے ایک کٹورے میں اُسے پینے کے لئے پانی دیا۔ لیکن وہ پانی بھی اس کے گلے میں اٹک کر رہ گیا اور حلق سے نیچے نہ اُترا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر اُس نے جان دے دی۔"

"جوامع الحکایات و لوامع الروایات مؤلفہ محمد بن محمد عوفی صفحہ ۳۴۵"

ان مختلف بیانات کی موجودگی میں یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ہادی کی موت کس طرح واقع ہوئی ؟ اور در اصل اُس کا ذمہ دار کون ہے ؟ قرین قیاس یہی ہے کہ خود قدرت کی طرف سے ہادی کو اُس کے ظلم کی یہ فوری سزا ملی۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہادی کے گلے میں مدت سے ایک زخم تھا جو پھٹ گیا اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ (مترجم)

ہارون کی تخت نشینی

ایک عرصے کی چپقلش اور جوڑ توڑ کے بعد خیزران اور یحییٰ بن خالد کی کوششیں بار آور ہوئیں اور ہارون تخت خلافت پر متمکن ہو گیا۔ خلافت سنبھالنے کے وقت ہارون کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ہادی کی وفات پر ہارون بغداد سے باہر تھا۔ اگلے دن صبح کو وہ باقاعدہ جلوس کی صورت میں شہر میں داخل ہوا۔ فوج کا ایک پورا دستہ اس کے ہمرکاب تھا۔ شہر سے بھی ایک دستہ اس کی پیشوائی کے لئے باہر نکلا۔ جمعہ کا روز تھا اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مضافات سے بھی ہزاروں لوگ بغداد میں آئے ہوئے تھے شہر کی ان سڑکوں پر جہاں سے ہارون کو گزرنا تھا دو رویہ، لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے اور بڑے شوق سے اپنے نئے خلیفہ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

سب سے پہلے فوج کا ایک دستہ سیاہ کپڑوں میں ملبوس نمودار ہوا۔ وہ بادشاہ کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ اس کے پیچھے سواروں کا ایک دستہ تلواریں نکالے سڑک پر سے گزرا۔ بعد ازاں عباسی شہزادے اور امراء بھڑکدار لباس پہنے گھوڑوں پر سوار گزرے۔ عباسی شہزادوں اور امراء کے بعد برامکہ آئے، ان کی قیادت یحییٰ بن خالد کر رہا تھا۔ برامکہ کے بعد ہارون کی سواری تھی۔ ہارون ایک سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور نہایت شاداں و فرحاں لوگوں کو ان کے سلام کا جواب

دیتا ہوا جا رہا تھا۔

ملکہ خیزران اپنے محل کے ایک جھروکے میں بیٹھی تھی اور اپنے لخت جگر کے اس شان دار استقبال کو بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو رواں تھے اور وہ عالم خیال میں گزشتہ ایام پر نظر دوڑا رہی تھی۔ جب ہارون کی ولی عہدی کے زمانے میں اس کے آگے چند غلاموں کے علاوہ کوئی نہیں چلتا تھا اور بعد میں یہ اعزاز بھی اس سے چھین لیا گیا تھا۔ لیکن آج اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دنیا ہارون کے جلو میں چل رہی تھی۔ اس کے آگے اور پیچھے مسلح سواروں کے دستے تھے۔ ہر طرف سے لوگ اسے دیکھنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے اور فوج کے سپاہی بڑی مشکل سے اس کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔

یہ جلوس چلتا چلتا اچانک دریائے دجلہ کے نزدیک ٹھہر گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ہارون بڑے غور سے دریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آج ہارون اس دن کو یاد کر رہا تھا۔ جب اسے مجبوراً اس دریا میں ولی عہدی کی انگوٹھی جو اسے اس کے والد مہدی نے پہنائی تھی پھینکی تھی۔ کیونکہ جب اس کے بھائی ہادی نے اس پر زور دینا شروع کیا کہ وہ اس کے بیٹے جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے تو ہارون نے اپنی خیر اسی میں سمجھی تھی کہ وہ اپنی انگوٹھی دریا میں پھینک دے اور اس طرح اس بات کا اعلان کر دے کہ وہ جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو گیا ہے ۔۔۔ لیکن آج خلافت ہارون الرشید کے ہاتھ میں آ چکی تھی۔ کسی قسم کا ظلم و ستم اسے اس کے حق سے محروم نہ کر سکا اور کسی قسم کی جبر و تعدی خدائی تقدیر کو نافذ ہونے سے نہ روک سکی۔

کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس کی انگوٹھی دریا سے نکالی جائے۔ حکم کی دیر تھی کہ ایک سو خادم اور غلام دریا میں کود پڑے اور انگوٹھی کی تلاش شروع ہو گئی۔ کچھ ہی دیر میں "اللہ اکبر" کی صدا بلند ہوئی۔ ایک شخص کو انگوٹھی مل گئی تھی۔ وہ پانی کی سطح پر نمودار ہوا اور اس کے چہرے سے خوشی و انبساط کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ شاہی انگوٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

ہارون نے انگوٹھی لی۔ اس شخص کو انعام دیا اور انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ جلوس پھر روانہ ہو گیا۔

قصرِ شاہی پہنچ کر جلوس کا خاتمہ ہوا۔ ہارون گھوڑے پر سے اترا اور محل میں داخل ہو گیا۔ باقی کا تمام دن امراء و اعیان کی بیعت اور نذرانے گزارنے میں گزر گیا۔

چونکہ آئندہ صفحات میں ہارون کے عہدِ خلافت کے حالات بیان ہوں گے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ خلافتِ عباسیہ پر مختصر سا تبصرہ بھی کر دیا جائے۔

خلافتِ عباسیہ اور خلافتِ راشدہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ خلافتِ راشدہ میں جہاں خلیفہ ملکی امور کی نگہداشت کرتا تھا وہاں دینی لحاظ سے بھی وہ مسلمانوں کا رہبر اور رہنما ہوتا تھا۔ اس زمانے میں خلیفہ احکامِ خداوندی اور شریعتِ اسلامی کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔ خلافت کے تمام امور سیاست کے تابع ہونے کے بجائے دینِ اسلام کے تابع ہوتے تھے اور اسلامی احکام سے سرمو روگردانی کا خیال خلیفہ کو خواب میں بھی نہ آسکتا تھا۔

جہاں تک اموی خلافت کا تعلق ہے۔ اگرچہ وہ خلافتِ راشدہ کے ہم پلہ تو کسی صورت میں نہیں تھی۔ تاہم اموی خلفا میں سادگی اور جمہوریت کی رنگ ایک حد تک ضرور موجود تھی۔ خلافتِ عباسیہ کا حال سابقہ دونوں خلافتوں کے بالکل الٹ تھا۔ یہاں خلیفہ نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ اپنے کاموں میں مختارِ کل سمجھا جاتا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا اور جس امر کا چاہتا حکم دیتا تھا۔ کوئی شخص اُسے روک سکتا تھا نہ اُسے اس کی غلطیوں پر ٹوک سکتا تھا۔

پہلے خلفاء اہم ملکی امور میں اپنے خاص مشیروں اور ملک کے نامور مدبروں سے ضرور مشورہ لیتے تھے اور اس وقت تک کسی تجویز پر عمل نہ کرتے تھے جب تک وہ مشورہ باہمی بحث و مباحثہ اور معاملات کے ہر پہلو سے جائزہ لینے کے بعد زیرِ بحث معاملے کے حسن و قبح سے پوری طرح واقف نہ ہو جاتے تھے مگر دولتِ عباسیہ کا یہ حال نہ تھا۔ اس کے خلیفے ملکی معاملات میں اپنے مشیروں سے بہت کم رائے لیتے تھے۔ اور صرف شدید مشکلات کے وقت ہی ملکی مسائل کو حل کرنے کے لئے وہ مدبروں سے مشورے طلب کرتے تھے۔

اس مطلق العنانی کی وجہ یہ تھی کہ خلفاء عباسیہ نے ایرانی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر وہی طور طریقے اختیار کئے تھے جو قدیم ایرانی حکومت کا طرۂ امتیاز تھے اس طرح خلافت ایک نئے رنگ میں رنگی گئی جو مطلق العنان شہنشاہیت کے بہت زیادہ قریب تھی اور خلفاء عباسیہ استبداد میں شاہانِ کسریٰ اور ہندوستان اور چین کے حکمرانوں سے کسی طرح مختلف نہ تھے۔

برامکہ

اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہارون الرشید کو امور خلافت سے چنداں تعلق
نہ تھا۔ خلافت کے کاموں پر وہ عیش و آرام کی زندگی کو ترجیح دیتا تھا جس میں نہ اسے تفکرات
کی دنیا سے گزرنا پڑے اور نہ محنت و مشقت سے اسے کوئی واسطہ ہو۔ یحییٰ برمکی اور
ملکہ خیزران کو ہارون کی اس ذہنیت کا پتہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک ہارون تخت
خلافت پر متمکن ہے۔ وہ ان کی راہ میں روک ثابت نہیں ہوگا اور وہ دونوں سلطنت کے
کاروبار کو اپنی مرضی سے جس طرح چاہیں گے چلائیں گے۔

جس وقت ہارون نے خلافت سنبھالی۔ اس وقت وہ چوبیس[1] سال کا خوش رو
نوجوان تھا۔ اس کی والدہ اس پر پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس بات کا ثبوت اسی بات
سے مل جاتا ہے کہ جب تک وہ زندہ رہی فضل بن ربیع جو بعد میں ہارون کا وزیر اعظم
بن گیا تھا۔ دربار میں کوئی عہدہ حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ ملکہ خیزران اس کی سخت مخالف تھی
اور قطعاً برداشت نہ کر سکتی تھی کہ فضل کسی چھوٹے سے چھوٹے عہدے پر بھی متمکن ہو۔
خیزران کے ہارون پر حاوی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہارون کی خلافت اسی کی کوششوں
کی رہین منت تھی۔ اگر خیزران بڑے وقت میں ہارون کی مدد نہ کرتی تو ناممکن تھا کہ ہارون

---

[1] بعض مورخین لکھتے ہیں کہ تخت نشینی کے وقت ہارون کی عمر بائیس سال کی تھی۔ بعض نے پچیس سال
کی بتائی ہے۔

کسی طرح بھی خلافت حاصل کر سکتا۔ ہارون کی خلافت نے خیزران کے اثر و رسوخ کو بہت زیادہ بڑھا دیا اور وہ مملکت کے ہر کام میں پوری طرح دخیل ہو گئی۔

یہی حال ہارون کے اتالیق اور اُس کے اُستاد یحییٰ برمکی کا تھا۔ خلافت کو ہارون کی طرف منتقل کرنے میں یحییٰ کا حصہ ملکہ خیزران سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اگر یحییٰ اسے نہ روکتا تو ہارون ہزور اپنے بھائی کے دباؤ کے ماتحت اپنے بھتیجے جعفر کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جاتا۔ ہارون اس کی حد درجہ تعظیم کرتا تھا اور ہمیشہ اسے یا ابی (اے میرے باپ) کہہ کر پکارتا تھا۔ جب وہ خلیفہ بنا تو اُس نے سلطنت کا کام ماں اور اُستاد کے سپرد کر دیا جن پر وہ انتہائی بھروسہ کرتا تھا اور جو اپنی عقل و فراست اور تجربے کے لحاظ سے اس بات کے حق دار تھے کہ عنانِ حکومت انہی کے ہاتھوں میں رہے اور وہی سلطنت کا کام چلائیں۔ چنانچہ ہارون سلطنت کی طرف سے بے پروا ہو کر عیش و آرام کی زندگی گزارنے لگا۔

ہارون الرشید کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کثرتِ فتوحات اور وسعتِ مملکت کے لحاظ سے اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ ان فتوحات کی تنظیم، شہروں کی آبادی اور سلطنت کے ہر حصے کو دارالخلافے سے اس طرح مربوط کر دینے کے لئے کہ سلطنت ایک وحدت میں تبدیل ہو جائے اور مملکت کا کوئی حصہ دارالخلافے سے علیٰحدہ ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ یہ ضروری تھا کہ سلطنت کا کام ایسے ہاتھوں میں دیا جاتا جو انتہائی قابل، لائق، تجربہ کار اور اسے سنبھالنے کے ہر طرح اہل ہوتے اور ان کی وفاداری اور خیر خواہی پر کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو سکتا۔ ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ سلطنت اسلامیہ کے بعض دور دراز علاقے مثلاً اندلس اور بلادِ مغرب عباسی خلافت سے

اپنا تعلق منقطع کر چکے تھے اور بعض دوسرے علاقوں میں بھی سلطنتِ عباسیہ سے علیحدگی کا رجحان زور پکڑتا جا رہا تھا۔

حکومت بغداد کے سامنے اس وقت سب سے اہم کام اس خطرے کا سدِباب کرنا تھا اور جب تک وزارت کی باگ ڈور نہایت مضبوط اور قابل ہاتھوں میں نہ دی جاتی۔ یہ خطرہ دُور نہ ہو سکتا تھا۔

یحییٰ ابن خالد برمکی سے بہتر آدمی ہارون الرشید کو اور کون مل سکتا تھا جو نہایت تجربہ کار، بہت بڑا منتظم، اعلیٰ درجہ کا سیاست دان اور بڑا دُور اندیش شخص تھا۔ ہارون نے وزارتِ عظمیٰ کا اعزاز اسی کے سپرد کر دیا اور اُسے مملکت کے تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔

وزارتِ عظمیٰ سپرد کرتے ہوئے ہارون نے یحییٰ سے کہہ دیا تھا کہ "میں امورِ مملکت کا تمام بار اپنے کندھے پر سے تمہارے کندھے پر رکھتا ہوں۔ جس طرح چاہو اسی طرح کرو۔ جس شخص کو چاہو کسی عہدے پر مقرر کرو جس شخص کو چاہو معزول کر دو۔"

ملکہ خیزران[1] بھی جو ہادی کے زمانہ میں امورِ خلافت سے بے تعلق کر دی گئی تھی۔ اب پھر امورِ سلطنت پر حاوی ہو گئی۔ یحییٰ برمکی ہر امر اس کے سامنے پیش کرتا تھا اور اُس کی رائے پر عمل کرتا تھا۔ تاہم اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ رشید کی خلافت کے تین سال بعد ہی فوت ہو گئی۔ اُس کے انتقال کے بعد امورِ مملکت کا سارا بوجھ یحییٰ پر آ پڑا۔ اُس نے مدد کے لئے اپنے چار بیٹوں فضل۔ جعفر۔ محمد۔

---

[1] خیزران والدہ ہارون کی وفات ۱۷۳ھ مطابق ۷۸۹ء میں ہوئی (مترجم)

اور موسیٰ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ یہ چاروں یحییٰ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور اسی کی رائے کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل اور جود و کرم میں یکتائے زمانہ تھا۔

فضل اور جعفر سیاست اور حکومت میں اپنے باپ کی سب سے زیادہ مدد کرتے تھے۔ یحییٰ اکثر کاموں میں فضل کے مشوروں کو قبول کیا کرتا تھا۔ سلطنت کا زیادہ کام بھی اسی کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ تمام برامکہ میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھا۔ کرم و جود میں جعفر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ شروع میں لوگ اسے وزیرِ صغیر کے نام سے پکارتے تھے۔

جعفر بھی قدر و منزلت، ہمت و استقامت، فہم و فراست، عقل و کیاست، علم و فضل اور سلطنت کے امور کو بحسن و خوبی چلانے میں کم نہ تھا۔ وہ انتہائی خوش اخلاق تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے گفتگو کرتا تھا۔ اس کی جود و سخا اور بذل و عطا کے قصے آج تک مشہور ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں مشہور زمانہ تھا۔ ہارون اس کے برابر کسی اور کو عزیز نہیں رکھتا تھا اور فضل سے بھی زیادہ اس سے مانوس تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جعفر نہایت ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا لیکن فضل کے مزاج میں سختی تھی۔

ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ سے پوچھا:

"لوگ فضل کو وزیرِ صغیر کہتے ہیں لیکن جعفر کو نہیں کہتے۔ یہ کیا بات ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا:

"لوگ اس وجہ سے فضل کو وزیرِ صغیر کہتے ہیں کہ وہ اکثر میرا قائم مقام ...

سلطنت کے کاموں میں میرا بہت ہاتھ بٹاتا ہے"

ہارون الرشید نے کہا:

"پھر جعفر کو بھی ویسے ہی کام سپرد کر دو جیسے فضل کو کر رکھے ہیں"۔

یحییٰ نے جواب دیا کہ ہمیشہ آپ کے پاس رہنے کی وجہ سے وہ مملکت کے دوسرے کام نہیں کر سکتا۔

ہارون الرشید نے اسی وقت جعفر کے سپرد قصر خلافت کے تمام معاملات کر دیئے۔ اب وہ بھی وزیر صغیر کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ایک دن ہارون نے یحییٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مہر سلطنت فضل سے لے کر جعفر کو دے دوں لیکن مجھے فضل کو ایسا لکھتے ہوئے شرم آتی ہے تم اس کو لکھ دو چنانچہ یحییٰ نے فضل کو لکھا کہ "امیر المومنین فرماتے ہیں کہ تم مہر سلطنت دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں پہن لو"۔ فضل مطلب سمجھ گیا اور نہایت فرماں برداری سے مہر جعفر کو دے دی اور اپنے والد کو لکھا۔

"میرے بھائی کے متعلق جو حکم امیر المومنین نے دیا ہے۔ میں اسے بجان و دل قبول کرتا ہوں۔ میرے بھائی کو جو عروج حاصل ہو گا اور جو رتبہ اسے ملے گا وہ دراصل مجھے ہی ملے گا۔"

جعفر نے جب فضل کا یہ جواب سنا تو وہ اپنے بھائی کی محبت، عقل و تمیز، فرمانبرداری اور اصابت رائے سے بہت خوش ہوا۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید کو جعفر سے کس حد تک محبت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ عز و جاہ میں جعفر اپنے بڑے بھائی جیسا مرتبہ حاصل کرے۔

سخاوت میں فضل اور جعفر کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا گو گردشِ ایام نے برامکہ کو تباہ و برباد کر دیا لیکن زمانہ جود و کرم کے ان عدیم المثال کارناموں کو نہ مٹا سکا جو برامکہ کے ہاتھوں وقوع میں آئے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید حج کو گیا۔ اس کے ساتھ یحییٰ ابن خالد برمکی اور اُس کے دونوں بیٹے فضل اور جعفر بھی تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو ہارون اپنی قیام گاہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی یحییٰ بھی بیٹھ گیا۔ بیٹھ کر ان دونوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو اسی وقت خوب انعام و اکرام دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کے بعد امین اور فضل بن یحییٰ بیٹھے۔ ان دونوں نے بھی بیٹھتے ہی لوگوں پر داد و دہش کی بارش شروع کر دی۔ آخر میں مامون اور جعفر بیٹھے۔ اُنھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس طرح ہزاروں لوگ جو شاہی قافلے کو دیکھنے کے شوق میں جمع ہو گئے تھے مالا مال ہو کر اُنھیں دعائیں دیتے ہوئے واپس چلے گئے اور اس سال کا نام ہی عام الاعطیۃ الثلاثہ پڑ گیا۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر، برامکہ کی اس طرح مدح سرائی کرتا ہے۔

"ہمارے پاس آلِ برمک آئے جو بادشاہوں کی نسل میں سے ہیں۔ یہ خبر کتنی خوش کُن اور یہ منظر کتنا دل فریب ہے۔ یہ لوگ ہر سال ایک مرتبہ دشمنوں کے مقابلے میں جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ جب یہ وادیٔ مکہ میں اُترتے ہیں تو تمام وادی یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر کی وجہ سے چمک اُٹھتی ہے۔ ان کی ہتھیلیاں سخاوت کے لیے بنی ہیں اور پاؤں ظفر مند کوششوں کے لیے۔

ان کی سخاوت کا ایک اور قصہ بھی درج کر دینا لطف سے خالی نہ ہوگا۔ محمد بن

ابراہیم بن محمد بن علی، عبداللہ بن عباس جو بنو عباس کے ایک نہایت معزز شخص تھے۔ ایک روز فضل کے پاس آئے۔ ان کے پاس ایک ڈبیا تھی۔ جس میں ایک بیش قیمت ہیرا بند تھا۔ انھوں نے آکر فضل سے کہا کہ میں آج کل بہت تنگ دست ہوں۔ دس لاکھ درہم کا قرض بھی میرے سر پہ چڑھ گیا ہے۔ لوگوں میں مجھے جو عزت اور وجاہت حاصل ہے۔ اس کا خیال کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ اس بات کا کسی کو علم ہو۔ میں کسی ایسے تاجر کی تلاش میں ہوں جو مجھے اتنی رقم بطور قرض دے سکے۔ رہن رکھنے کے لئے میرے پاس یہ ہیرا ہے جو دس لاکھ درہم کی مالیت کا ہے آپ کو مختلف تاجروں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ میں اس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر یہ ہیرا لے لیں اور میرے لئے کہیں سے قرض دلانے کا انتظام کر دیں۔"

فضل نے کہا۔ "آپ کی خواہش انشاء اللہ ضرور پوری ہو جائے گی۔ تاہم کامیابی کا دارومدار اس بات پہ ہے کہ آپ آج میرے پاس قیام کریں۔"

محمد بن ابراہیم نے یہ بات منظور کر لی اور سارا دن فضل کے گھر میں رہے۔ فضل نے اس دوران میں اپنے خادم کے ہاتھ دس لاکھ درہم اور ہیرے کی وہ ڈبیا محمد کے گھر بھجوا دی اور ان کے گھر والوں سے ان چیزوں کی رسید بھی منگوا لی۔ سارا دن فضل کے گھر گزار کر جب محمد اپنے گھر پہنچے تو وہاں ہیرے کی ڈبیا اور دس لاکھ درہم موجود پائے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، اگلے دن وہ صبح سویرے اس ارادہ سے فضل کے گھر پہنچے کہ اس احسان عظیم کا شکریہ ادا کریں۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فضل ہارون الرشید کے محل میں گیا ہے۔ وہ وہاں سے ہارون کے محل پہ پہنچے۔

لیکن جب فضل کو محمد کے آنے کا پتہ چلا تو وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اپنے باپ کے گھر چلا گیا۔ محمد وہاں پہنچے تو وہ کسی اور جگہ چلا گیا

غرض کہ سارا دن یہی ہوتا رہا۔ آخر شام کو فضل کے گھر میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ محمد نے فضل سے کہا کہ میں آپ کے احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیئے صبح آپ کے گھر گیا تھا، مگر آپ نہیں ملے۔

فضل نے جواب دیا۔

"کل میں نے آپ کے متعلق بہت غور و خوض کیا۔ میں نے سوچا کہ وہ دس لاکھ درہم جو کل میں نے آپ کے گھر بھجوائے تھے وہ تو آپ کے قرض کی ادائیگی ہی میں خرچ ہو جائیں گے بعد میں آپ کے پاس کچھ نہیں بچے گا اور آپ کو دوبارہ پھر قرض لینا پڑے گا۔ اس طرح کچھ عرصے کے بعد آپ کے ذمہ پھر اتنا ہی قرضہ چڑھ جائے گا۔ اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لئے میں امیرالمومنین کی خدمت میں گیا تھا۔ میں نے انھیں آپ کا حال سنایا اور ان سے آپ کے لئے مزید دس لاکھ درہم لیئے۔ میں آپ سے اس وقت تک نہ ملنا چاہتا تھا۔ جب تک یہ ساری رقم آپ کے گھر میں نہ پہنچ جاتی۔ چنانچہ اب وہ پہنچ گئی ہے اور میں آپ کے سامنے ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے شرمندگی نہیں ہوئی۔"

محمد نے یہ سن کر فضل سے کہا:

"میں کس طرح آپ کے اس احسان کا بدلہ اتاروں؟ بظاہر تو کوئی شکل بدلہ اتارنے کی نظر نہیں آتی۔ البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے دروازہ کے سوا اور کسی کے دروازہ پر حاضری نہیں دوں گا اور کسی اور سے کبھی کچھ نہ مانگوں گا۔"

چنانچہ اُنھوں نے اپنے اس عہد کو آخر دم تک نباہا۔ بعد میں برامکہ تباہ ہو گئے
اُنھیں قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ ان کے اموال و اسباب ان سے چھین لئے گئے
اور وزارت فضل بن ربیع کے ہاتھ آگئی۔ قسمت کے ہاتھوں محمد بھی پیسے پیسے کو
محتاج ہو گئے۔ کسی نے ان کو صلاح دی کہ وہ فضل بن ربیع کے پاس جائیں وہ
ضرور ان کی مدد کرے گا۔ لیکن اُنھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آخر وقت
تک برامکہ کے عہد کو ہی یاد کرتے رہے۔

یحییٰ بن خالد کا تیسرا لڑکا موسیٰ تھا۔ یہ بہت زبردست بہادر اور دلیر شخص تھا
لیکن اس کو وہ شہرت نصیب نہیں ہوئی جو اُس کے بھائیوں فضل اور جعفر کو ہوئی۔ یہ
ہارون کے بہترین سپہ سالاروں میں سے تھا۔ جب شام میں فتنے رُونما ہونے لگے۔
تو ہارون نے اسے ۱۷۶ھ - ۸۰۰ء میں شام کا والی بنا دیا۔ اُس نے وہاں
جا کر امن قائم کیا اور وہاں کے حالات دُرست کئے۔

یحییٰ کا چوتھا بیٹا محمد تھا۔ یہ بھی بہت بلند ہمت اور بیشتر اخلاقِ حسنہ سے
متصف تھا۔ فوجی عہدہ پر متمکن تھا۔ لیکن وہ بھی وہ شہرت حاصل نہ کر سکا جو اُس کے
باقی بھائیوں کو حاصل ہوئی۔

مختصر یہ کہ خاندانِ برامکہ دولتِ عباسیہ کی پیشانی کا نور تھا۔ یہ لوگ ہر قسم کی خوبیوں
سے متصف تھے۔ شعرا اور حاجت مند جب ہر طرف سے نا اُمید ہو جاتے تھے تو
برامکہ کے محلات ہی کا رُخ کرتے تھے۔ جس طرح یہ خاندان سخاوت اور جود و کرم میں اپنی
نظیر نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح فصاحت و بلاغت میں بھی کوئی شخص ان کے ہم پلہ نہ تھا
یہ لوگ میدانِ بلاغت کے شہسوار مملکتِ فصاحت کے تاجدار تھے۔ ان کی سخاوت

کے آگے لوگوں کو پرانے زمانے کی داستانیں ہیچ معلوم ہونے لگیں اور لوگ اگلی کہانیاں بھول گئے۔

خاندان برامکہ فارسی الاصل تھا۔ اس ایرانی نژاد قبیلے کی حیرت انگیز کامیابی اور مملکت اسلامیہ پر اس کے اثر و رسوخ اور اقتدار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس عہد کے اسلامی تہذیب و تمدن پر ایرانی اثرات چھا گئے تھے اور تمام مملکت اسلامیہ پر ایرانی تہذیب نے اپنا غلبہ و تسلط جما لیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ عربوں نے ایک عالم کو اپنے زیر نگیں کر لیا اور دین، عقائد اور زبان کے لحاظ سے وہ دوسرے مملکت کے لوگوں پر غالب آ گئے۔ لیکن جہاں تک تہذیب و تمدن، نظام حکومت اور ریاست مملکت کا تعلق ہے انھیں اس بارے میں ایرانیوں ہی کی پیروی کرنی پڑی۔

سیاسی حالات

ہارون الرشید کی تخت نشینی اور خلافت کے ابتدائی امور کے تذکرے کے بعد اب ہم اس کے عہد کے سیاسی حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

آلِ علیؓ جنھیں ہم آئندہ علویین کے نام سے یاد کریں گے۔ کبھی بھی آلِ عباسؓ کی خلافت پر راضی نہیں ہوئے کیونکہ اُن کا اعتقاد تھا کہ وہ اُن سے زیادہ ملکِ خلافت کے حق دار ہیں۔ بنو امیہ کے زمانے میں جب خراسان اور مملکتِ اسلامیہ کے دیگر حصوں میں عباسی خلافت کی تبلیغ شروع ہوئی تو اُس کے داعیوں نے بھی عوام کے قلوب پر یہی کہہ کر اثر ڈالنا شروع کیا تھا کہ امامت اور خلافت آلِ محمد کا حق ہے اور وہ اُنہی کو ملنی چاہیئے۔ چنانچہ آلِ علیؓ کو پورا یقین تھا کہ جب یہ دعوت کامیاب ہو جائے گی تو خلافت کی گدی پر وہی متمکن ہوں گے۔ لیکن اُن کی توقعات کے برخلاف عباسیوں نے خلافت و سلطنت پر خود قبضہ جما لیا۔ علوی بھی خاموش بیٹھے رہنے والے نہ تھے۔ اُنھوں نے کئی بار عباسی خلافت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

آلِ عباس جانتے تھے کہ علوی اُن کے بدترین دشمن ہیں۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ اُن کی خلافت اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی اور سلطنت میں اُس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک علویین کا کلی طور پر استیصال نہ کر دیا جائے اور یہ

اُس شخص کو قتل نہ کر دیا جائے جو اپنے لئے خلافت کا طالب ہو۔

سفاح سے لے کر ہارون الرشید تک کسی بھی خلیفہ کو علویین کی طرف سے اطمینان نصیب نہ ہو سکا اور ہر خلیفہ اُن کو مٹانے اور تباہ و برباد کرنے کے درپے رہا۔ جب ہارون الرشید کا زمانہ آیا تو شروع میں اُس نے اس بات کی کوشش کی کہ ملائمت، نرمی اور احسان کے ذریعے علویین کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرلے اور اس طرح اُن کی طرف سے بے خوف ہو کر اپنا کام چلائے۔ اس غرض کے لئے اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ بغداد میں جن علویوں پر پہلے سخت نگرانی رکھی جاتی تھی اور انھیں بغداد سے باہر نکلنے نہیں دیا جاتا تھا اُن پر سے سوائے عباس بن حسن بن عبداللہ بن حسن کے نقل و حرکت کی پابندی ہٹالی۔ گو عباس بن حسن بن عبداللہ پر پابندی تھی۔ تاہم اُن کے والد حسن کو اُس نے اجازت دے دی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

مگر علویوں پر ہارون کے اس حسنِ سلوک کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے اس عقیدے کا اظہار کرنے سے اب بھی باز نہ آئے کہ خلافت پر اصل حق اُن کا ہے اور آلِ عباس نے ان کا یہ حق غصب کیا ہوا ہے۔ انھوں نے ہارون اور آل عباس کے خلاف پھر سازشیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلا شخص جس نے ہارون کے خلاف علم بغاوت بلند کیا وہ یحییٰ بن عبداللہ بن حسن تھا۔ یہ شخص فخ[1] کی لڑائی کے بعد جو ہادی

---

[1] ۱۶۹ھ - ۷۸۵ء میں علویوں کے ایک لیڈر حسین بن علی بن حسن المثلث نے ہادی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ سب سے پہلے حسین نے مدینہ پر قبضہ کر کے وہاں اپنی امامت کا اعلان کیا اس کے بعد وہ اپنی جماعت کو لے کر حج کے لئے نکلا۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو امیر الحج

(بقیہ حاشیہ ۶۷)

کے عہد میں ہوئی تھی بھاگ کر دیلم کی طرف چلا گیا تھا۔ وہاں اُس نے اپنی قوت بڑھانی شروع کی اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست جمعیت اکٹھی کر لی۔ ہارون الرشید نے اس کے مقابلہ کے لئے فضل بن یحییٰ برمکی کو پچاس ہزار فوج دے کر بھیجا۔ ساتھ ہی اُسے جرجان۔ طبرستان۔ اور رے کا والی بھی بنا دیا۔ فضل نے سوچا کہ اگر نرمی سے کام نکل سکتا ہے تو جنگ کی کیا ضرورت ہے۔ اُس نے وہاں پہنچ کر بجائے جنگ کرنے کے یحییٰ سے خط و کتابت شروع کر دی اور بہت نرمی سے اس کو مطیع ہونے کا مشورہ دیا۔ سارے نشیب و فراز سمجھائے اور یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ مطیع ہو جائے گا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے گا تو اسے امان دے دی جائے گی اور اس سے ہرگز کوئی بُرا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اُس نے والیِ دیلم کو دس لاکھ درہم بھیجے اور اُسے لکھا کہ وہ یحییٰ کو مطیع ہونے پر آمادہ کرے۔ یحییٰ نے جواب میں لکھا کہ اگر خلیفہ اپنے ہاتھ سے مجھے امان لکھ کر بھیجے۔ تو میں مطیع ہو جاؤں گا اور تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔ فضل نے یہ ماجرا ہارون کو لکھ بھیجا۔ ہارون بڑا خوش ہوا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھا اور اس پر فقہاء قضاۃ اور بنی ہاشم کے بڑے بڑے لوگوں اور مشائخ کو گواہ بنایا اور یہ امان نامہ

(بقیہ حاشیہ ۶۶) مقرر کر کے حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ فخ کے مقام پر دونوں فریقوں میں جنگ ہوئی جس میں حسین اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ صرف دو شخص بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے ایک ادریس بن عبداللہ جس نے افریقہ میں جا کر اپنی سلطنت قائم کی۔ دوسرا یحییٰ بن عبداللہ بن حسن جو بھاگ کر بلادِ دیلم چلا گیا اور وہاں علم بغاوت بلند کیا۔ (مترجم)

بیش قیمت تحفوں کے ساتھ فضل کو بھیج دیا۔ فضل نے یہ سب تحائف مع امان نامہ یحییٰ کو روانہ کر دیئے۔ چنانچہ یحییٰ نے اطاعت قبول کر لی اور فضل کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ فضل اُس کو لے کر بغداد آیا۔ ہارون الرشید اس سے بڑی کشادہ روئی سے پیش آیا۔ پہلے اس کو یحییٰ بن خالد کے پاس رکھا کیونکہ یحییٰ اس کا ضامن بنا تھا اور اس کی رہائش کا نہایت اعلیٰ انتظام کر دیا۔ بہت سا سامان اُس کو دیا اور بیش قرار وظیفہ مقرر کر دیا۔ غرض کہ اس کے اکرام اور تعظیم میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی مگر اس واقعہ کے کچھ عرصے کے بعد بعض چغل خوروں نے ہارون کے پاس جا کر یحییٰ کی شکائتیں کیں اور کہا کہ وہ بدستور خلافت کا باغی ہے اس پر ہارون نے اُسے قید کر دیا۔ اور فقہا سے نقض امان کا فتویٰ طلب کیا۔ بعض فقہاء نے فتوےٰ دیا کہ امان توڑی نہیں جا سکتی۔ البتہ بعض نے یہ فتوےٰ دے دیا کہ امان باطل ہے چنانچہ ہارون نے یحییٰ کی امان منسوخ قرار دے دی اور بعد میں اُسے قتل کرا دیا۔

فخ کی لڑائی میں دوسرا شخص جو بچ نکلا تھا وہ ادریس بن عبداللہ بن حسن تھا۔ یہ یحییٰ کا بھائی تھا اور مصر کی طرف چلا گیا تھا وہاں سے اس نے مغرب الاقصیٰ میں پہنچ کر بربروں کو اپنے گرد جمع کیا اور وہاں علویین کی پہلی خلافت قائم کی۔ یہ خلافت دولت ادریسیہ کہلائی۔ ادریس ۱۷۲ھ - ۷۸۸ء میں 'ولیلی' کے شہر میں آیا تھا اور اسی سال اس کی بیعت ہوئی۔

جب ہارون کو یہ خبر ملی کہ ادریس نے بلادِ مغرب میں اپنی سلطنت قائم کر لی ہے، اپنے گرد زبردست لشکر جمع کر لیا ہے، بلاد تلمسان کو فتح کر لیا ہے اور افریقہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر بھیجنے کا

ارادہ کیا لیکن یہ کام اسے بہت مشکل نظر آیا کیونکہ وہ علاقہ دار الخلافے سے حد دُور تھا اور لشکر کو وہاں تک پہنچنے میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس لئے اس نے ایک عقلمند اور چالاک آدمی سلیمان بن جریر المعروف بہ شماخ کو مقرر کیا کہ وہ وہاں جاکر کسی حیلے اور دھوکے سے ادریس کو قتل کر دے۔ چنانچہ شماخ ادریس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ "ہارون نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہیں اور اب میں اس کا ساتھ چھوڑ کر آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔" ادریس نے اس کی باتوں کا اعتبار کرکے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ چند ہی دنوں میں وہ ادریس کے مزاج میں بہت دخیل ہو گیا۔ ادریس نے اسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ کچھ عرصے کے بعد اُس نے موقعہ پاکر اس کے منجن میں زہر ملا دیا اور خود بھاگ آیا۔

زہر کے اثر سے ادریس کا ۱۷۳ھ - ۷۸۹ء میں انتقال ہو گیا۔ اس کے کوئی لڑکا تو تھا نہیں ہاں وفات کے وقت اس کی ایک لونڈی حاملہ تھی بعد میں اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام اپنے باپ کے نام پر ادریس ہی رکھا گیا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کر لی اور رشید کی توقعات و خواہشات کے برعکس مغرب میں دولت ادریسیہ جڑ پکڑ گئی۔

اس طرح خلافت عباسیہ سے دو زبردست علاقے نکل گئے۔ ایک علاقہ تو اندلس، جس پر عبدالرحمٰن بن معاویہ اموی نے کامل تسلط حاصل کر لیا تھا اور دوسرا مغرب اقصیٰ مع تلمسان جس پر ادریس بن عبداللہ نے قبضہ کر لیا تھا۔

ان حوادث کے سبب ہارون الرشید علویین کی طرف سے بہت چوکنا ہو گیا تھا۔ جس شخص کے متعلق بھی اسے پتہ چلتا کہ اس کا میلان علویین کی طرف ہے وہ اسے

سخت سزا دیتا۔

لیکن اس اندرونی خلفشار کے باوجود اُس نے عربوں اور تمام مسلمانوں کے مشترکہ دشمن یعنی رومیوں کی طرف سے قطعاً لاپروائی نہ برتی۔ ہارون الرشید سے پہلے ہر خلیفہ ان سے جنگ کرتا تھا اور ان پر فتح پاکر انھیں خراج دینے پر مجبور کرتا تھا۔ مہدی کے زمانے میں خود ہارون الرشید رومیوں کے مقابلے کے لئے جا چکا تھا اور رومیوں کی جوش سکینوں کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اُس نے خلیفہ ہوتے ہی اپنی سلطنت کی مشرقی حدود کی حفاظت کے انتظامات شروع کر دیئے تاکہ کہیں رومی مسلمانوں کو غافل پاکر ان پر بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔

اس مقصد کے لئے اُس نے اپنے وزیر یحییٰ برمکی سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ رومی سلطنت کی سرحد پر جابجا قلعے بنائے جائیں، جہاں اسلامی فوجیں تعینات رہیں۔ اس کے علاوہ رومی علاقے میں اپنے جاسوس بھی مقرر کئے جائیں جو دشمنوں کے ارادوں اور نقل وحرکت سے برابر اطلاع دیتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ’منبج‘ کو ان تمام قلعوں کا مرکز قرار دیا گیا اور خلیفہ سلطنت کے مشرقی بازو سے مطمئن ہو گیا۔

ہارون الرشید نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے ان سپہ سالاروں کو جو رومی سرحد پر متعین تھے یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ موقعہ بموقعہ رومی علاقوں میں تاخت وتاراج بھی کرتے رہیں تاکہ رومیوں کو کبھی مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے اور وہ سال بسال مقررہ خراج سلطنت عباسیہ کو ادا کرتے رہیں۔

جب خلیفہ کو اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اُس نے حج کے مذہبی فریضہ کو

بجالانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ کے لئے یہ امر بہت ضروری تھا کہ وہ حج کے لئے جائے۔ ایسا کرنا خصوصاً اس لئے بھی ضروری تھا کہ عباسی اموی خلفاء پر یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ ان کی دینی حالت بہت کمزور ہے۔ اس صورت میں ان کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ خود رعایا کے سامنے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیں کہ ان میں دین کا احترام ہے اور وہ اسلامی فرائض کو بجالانے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔

ہارون الرشید نے کئی حج کئے لیکن اُس کا یہ حج خاص طور پر سیاسی مصالح کے لئے تھا۔ اس مرتبہ حج کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض حاسدوں نے ہارون کو آلِ علیؑ کے مشہور امام موسیٰ بن جعفرؑ کی طرف سے جو امام کاظمؑ کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور جو ان دنوں مدینہ میں مقیم تھے بھڑکانا شروع کیا۔ حاسدین کا کہنا تھا کہ امام کاظم کے معتقد اپنے اموال کا پانچواں حصہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ان کو اپنا امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں۔ عنقریب ہی وہ سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کرنے اور خلافت کا دعویٰ کرنے والے ہیں۔

ہارون پہلے ہی علویین کی طرف سے بدظن ہو رہا تھا۔ اس شکایت نے جلتی پر تیل کا کام کیا اس نے مدینہ پہنچ کر امام موسیٰ بن جعفر کو قید کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ بغداد لے آیا۔ بغداد لاکر اُس نے اُنھیں سندی بن شاہک کی تحویل میں دے دیا کہ وہ انھیں قید رکھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعد میں اُس نے اُنھیں قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ سندی بن شاہک نے خفیہ طور پر اُنھیں قتل کر دیا۔ ہارون نے ایک جماعت کو سندی کے گھر بھیجا۔ اس جماعت نے واپس آکر گواہی دی کہ امام کاظم نے طبعی موت سے وفات پائی ہے۔ یہ تمام اضطراب، شور و غوغا، سازشیں اور بغاوتیں صرف علویین کی طرف سے

ہی نہیں تھیں ان کے علاوہ ایک اور فریق بھی تھا جو خلفاء کے استبداد اور ان کے احکام شرعیہ سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ان کو نابود کرنے کی فکر میں تھا۔ یہ فرقہ خارجیوں کا تھا۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور ساری مملکت اسلامیہ میں ایک انتشار برپا کر دیا تھا۔ جب بنو امیہ کا زمانہ آیا تو انھوں نے ان کے خلاف بھی بغاوتیں کرنی شروع کیں جس پر اموی خلافت نے بڑی زبردست فوجوں کے ذریعہ جن کی کمان مہلب بن ابی صفرہ جیسے بہادر جرنیل کر رہے تھے۔ خارجیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا۔ لیکن اموی حکومت ان کی روح کو فنا نہ کر سکی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کبھی خارجیوں کو موقعہ ملتا تھا وہ جنگ کے لیئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔

ہارون الرشید کا زمانہ خوارج کے زور پکڑنے میں شہرت رکھتا ہے۔ انھوں نے بنی امیہ کے زمانے کے اسلاف کی تاریخ کو دہرایا۔ ان خوارج میں سب سے مشہور اور زبردست اثر رکھنے والا شخص ولید بن طریف شاری شیبانی تھا۔ یہ بہت بہادر اور جنگ جو تھا۔ نصیبین کے نواح میں جزیرہ میں رہتا تھا۔ اس نے ہارون الرشید کے خلاف ۱۷۸ھ - ۷۹۴ء میں علم بغاوت بلند کیا۔ نصیبین میں ابراہیم بن خازم پر حملہ کیا، وہاں سے آرمینیہ چلا گیا۔ ۱۷۹ھ - ۷۹۵ء میں پھر جزیرہ واپس لوٹا۔ اب اس کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے پے در پے کئی دفعہ ہارون الرشید کی فوجوں کو شکست دی اب تو خلیفہ بڑا سٹ پٹایا اور اس نے اس کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ اس کا خیال ہوا کہ وہ ربیعہ میں سے ہی کسی شخص کو اس کے مقابلہ کے لیئے بھیجے تاکہ وہ کسی حیلہ سے اسے اس کے دربار میں حاضر کر دے اس غرض کے لیئے اس کی نظر انتخاب

یزید بن مزید شیبانی بڑا بہادر جو معن بن زائدہ کا بھتیجا تھا۔ یزید ولید کے مقابلے کے لئے گیا اُس نے چاہا کہ جس طرح مہلب بن ابی صفرہ نے حیلہ اور مکر و فریب سے کام لے کر قطری بن فجاءہ کو قابو میں کر لیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی انہی حیلوں اور مکر و فریب کے طریقوں سے ولید کو اپنے قابو میں کر لے۔ ادھر برامکہ یزید کے خلاف تھے۔ اُنھوں نے خلیفہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ یزید رشتہ داری اور خون کی بنا پر ولید سے رعایت کر رہا ہے، ورنہ ولید کی قوت و شوکت تو بہت معمولی ہے۔ وہ تو کبھی کا زیر ہو جاتا۔ اس پر خلیفہ کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے یزید کو خط لکھا کہ اگر میں کسی اور شخص کو بھیجتا تو وہ اب تک کبھی کا کامیاب ہو کر واپس آجاتا۔ مگر تم عصبیت کی وجہ سے معاملے کو خواہ مخواہ ڈھیل دے رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم نے ولید سے جلدی نہ کی تو میں کسی آدمی کو بھیج کر تمہارا سر کٹوا دوں گا۔ چُنانچہ یزید نے ولید کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ دونوں کے لشکر میدانِ جنگ میں آئے۔ جنگ شروع ہونے والی ہی تھی کہ یزید نے ولید کو پکار کر کہا کہ فوجوں کو لڑانے سے کیا فائدہ۔ آؤ ہم اور تم آپس میں مقابلہ کر لیں۔ دوسرے کو مارنے والا فاتح قرار پائے گا۔ ولید نے یہ منظور کر لیا اور رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا میدان میں نکل آیا۔

ادھر سے یزید بھی بڑھا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ کچھ دیر تک تو کوئی بھی دوسرے پر غالب نہ آسکا۔ مگر آخر یزید نے ایک موقعہ پا کر ولید کے پاؤں پر تلوار ماری جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا۔ اب یزید کے سپاہی بڑھے اور ولید کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ ۱۷۹ھ - ۷۹۵ء میں انبار سے کچھ فرسخ کے فاصلہ پر ہوا۔ اس کے بعد یزید نے ولید کا سر فتح کی خوشخبری کے ساتھ

ہارون الرشید کو بھیج دیا۔

۱۸۰ھ - ۷۹۶ء میں شام میں بھی بغاوت پھوٹ پڑی اور وہاں کے باشندے خلاف ہو گئے۔ ہارون نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جعفر برمکی کو مقرر کیا۔ جعفر چند مشہور سپہ سالاروں اور فوج کو لے کر شام گیا۔ بغاوت فرو کی۔ اہلِ فتنہ کو قتل کیا اور وہاں مکمل طور پر امن و امان بحال کر کے واپس آیا۔

جعفر کے اس کارنامے سے ہارون الرشید کے دل میں اس کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ گئی۔ جعفر نے ہارون الرشید کے سامنے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں اہلِ شام سے نرمی کرنے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس کی سفارش پر ہارون الرشید نے اُنھیں معاف کر دیا اور باغیوں سے پوچھ گچھ نہ کی۔

صفحاتِ ماقبل میں ہم نے اس خطرے کا ذکر کیا تھا جو دولتِ عباسیہ کو مغرب کی طرف سے اندلس اور بلادِ مغرب کے خلافتِ عباسیہ سے قطع تعلق کر لینے سے پیدا ہوا تھا۔ اب ہم اس خطرے کا ذکر کرتے ہیں جو حکومت کے بعض عمال کی بے راہ روی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ خراسان کی بغاوت کا ہے۔

خراسان کی بغاوت کا علم رافع بن لیث بن نصر بن سیار نے بلند کیا تھا۔ اس علاقے کا حاکم علی بن عیسیٰ تھا جو بہت جابر شخص تھا اور جس نے لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ اس کے مظالم اور سختیوں سے تنگ آ کر خراسان کے ایک شخص رافع نے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ علی بن عیسیٰ نے اپنے بیٹے عیسیٰ کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا لیکن رافع نے اسے شکست دی۔

اور عیسیٰ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ علی بن عیسیٰ نے ہارون الرشید کو خط لکھا کہ رافع کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیجئے۔ ہارون کو اپنے اس عامل کے اُن مظالم کی رپورٹ پہنچ چکی تھی جو اُس نے اپنی رعایا پہ توڑے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے اپنے مشہور سپہ سالار ہرثمہ کو علی کی جگہ خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا جس نے جا کر علی بن عیسیٰ کو گرفتار کر لیا۔ بعد میں اس نے رافع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی لیکن وہ اس کے قابو میں نہ آسکا۔ آخر اس کے استیصال کے لئے خود ہارون الرشید کو خراسان جانا پڑا۔ اس بغاوت کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

رومیوں سے بھی ہارون کی برابر چپقلش رہتی تھی۔ کیونکہ وہ مسلسل عہد شکنی کرتے رہتے تھے۔ آخر ہارون نے پے در پے چڑھائیاں کر کے اُنھیں حد درجہ کمزور کر دیا اور بالآخر رومی سلطنت کو ہارون کی اطاعت قبول کرنی پڑی۔

رومیوں کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے بارہ میں بھی ایک علیحدہ باب میں بحث کی جائے گی۔

زوالِ برامکہ

مؤرخین اسلام نے زوالِ برامکہ کے اسباب و علل معلوم کرنے میں بہت کاوش سے کام لیا ہے اور وہ عوامل معلوم کرنے کی کوشش کی ہے جن کی بنا پر ہارون الرشید نے اس عظیم المرتبت خاندان کو خاک میں ملا دیا۔

سعید بن سالم سے کسی نے زوالِ برامکہ کے متعلق دریافت کیا۔ اُنھوں نے جواب دیا:

"بعض لوگ برامکہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنھوں نے ہارون الرشید کے خلاف خفیہ خفیہ بغاوت کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن یہ بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کو مسندِ اقتدار پر متمکن ہوئے بہت عرصہ ہو چکا تھا اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جو شخص بھی زیادہ عرصے تک صاحبِ اقتدار رہتا ہے لوگ اس سے اکتا جاتے ہیں۔ برامکہ پر ہی یہ بات موقوف نہیں بلکہ ان سے بدرجہا بہتر لوگوں کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو ان سے ہوا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے سے بہتر زمانہ اور کونسا ہو گا جو عدل و انصاف، امن و امان فتوحات اور کثرتِ اموال کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی تھا، لیکن چونکہ ان کی حکومت کو ایک لمبا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے آخر کار ان کو شہید کر دیا۔

ہارون الرشید نے دیکھا کہ سلطنت کا ہر شخص برامکہ کی تعریف کے گیت گاتا ہے،

اپنی ہر خواہش انہی کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنی حاجت روائی کے لیئے انہی کے دروازے پر پہنچتا ہے تو اسے سخت حسد پیدا ہوا کیونکہ مطلق العنان بادشاہ کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے وزراء اتنی زیادہ قدر و منزلت حاصل کر لیں، جس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ بادشاہ سے ہٹ کر ان کے وزیروں اور امیروں کی طرف مبذول ہو جائے۔ برامکہ میں اور خصوصاً جعفر اور فضل میں اس وجہ سے کچھ غرور اور تبختر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ البتہ یحییٰ ان باتوں سے پاک تھا۔ وہ بہت جہاں دیدہ، عاقل اور صائب الرائے شخص تھا، وہ بادشاہوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے وزیر شان و شوکت میں ان سے بھی آگے نکل جائیں۔ آخر یہی ہوا کہ بعض حاسدوں نے ہارون الرشید سے برامکہ کی جھوٹی سچی شکایتیں کرنی شروع کر دیں۔ وہ پہلے ہی ان کی کاروائیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اسے فوراً ان شکایتوں پر یقین آ گیا اور اس نے پوری قوت سے برامکہ کو تباہ کر دیا۔"

جس روز ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا تھا۔ اس نے یحییٰ سے کہہ دیا تھا کہ میں آپ کو وزارت کا عہدہ سپرد کرتا ہوں۔ آپ جو چاہیں کریں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن یہ بات ہارون نے اس وقت کہی تھی جب وہ بالکل نوجوان تھا اور امورِ مملکت کے متعلق اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ ملکی سیاست کے جھمیلوں اور حکومت کے بکھیڑوں میں وہ قطعاً نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس کے لیئے یہ بات بدرجہا بہتر تھی کہ وہ خلافت کی ظاہری شان و شوکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عیش و آرام کی زندگی گزارے اور مہمات مملکت اور ملک کے نظم و نسق کا سارا کام اپنے وزراء کے سپرد کر دے۔

وقت گزرتا چلا گیا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہارون میں پختگی اور

شعور پیدا ہوتا چلا گیا۔ آخر جب وہ خلافت کے نشے سے ہوش میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اس کی حیثیت نمائشی خلیفہ سے زیادہ نہیں۔ ملکی نظم ونسق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے مملکت کا سارا انتظام برامکہ نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں کوئی انھیں روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

ہارون اس صورتِ حال سے بڑا متاثر ہوا۔ برامکہ کے حاسدین کی بھی ملک میں کمی نہ تھی اُنھوں نے موقعہ بموقعہ ہارون کو برامکہ کی طرف سے بدظن کرنا شروع کیا۔ وہ یہ کہہ کر ہارون کو بھڑکاتے تھے کہ برامکہ کی وجہ سے آپ کی کوئی حیثیت ملک میں باقی نہیں رہی اور کسی چیز پر آپ کا اختیار نہیں رہا۔ اس کے دل میں پہلے ہی یہ بات کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، یہی بات حاسدوں کی زبان سے بھی سُن کر اس کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ وہ اکثر اپنے آپ سے کہا کرتا تھا:

"کیا میں بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میں خلیفہ نہیں ہوں؟"

ہارون جب بھی اپنے محل کی کھڑکی سے برامکہ کے محلات کی طرف دیکھتا تھا تو ان کے دروازوں پر لوگوں کا [illegible] نظر آتا تھا۔ جو اپنی حاجتیں پوری کرانے یا انعام و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے وہاں آئے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اعیانِ مملکت بھی ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے تھے، یہ دیکھ کر ہارون کے دل میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ جاتی تھی۔ اس وقت بے اختیار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش وہ اپنی وسیع وعریض مملکت کا بلاشرکت غیرے مالک ہوتا۔

مورخین تحقیق وتدقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ استبدادی اور شخصی بادشاہتوں میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ ساری شوکت، ہر طرح کی عزت اور

پُوری طاقت انہی کے ہاتھوں میں رہے، اس وجہ سے وہ اپنے وزیروں اور امیروں کو زیادہ اختیارات دینا پسند نہیں کرتے، مبادا ایسا ہو کہ وہ طاقت حاصل کر کے اس پر حاوی ہو جائیں۔ وزراء اور امور مملکت میں بادشاہ کی مدد کرنے والے جو ترقی کرتے کرتے بامِ عروج پر پہنچ جاتے ہیں اور بادشاہوں کی اس خصلت سے واقف نہیں ہوتے، وہ بھی چاہتے ہیں کہ برابر ترقی کرتے چلے جائیں۔ لیکن زمانہ کسی پر بھی یکساں مہربان نہیں رہتا۔ جب وہ ترقی کرتے کرتے ایک منزل پر پہنچتے ہیں تو حاسدوں کا ایک گروہ جو اس بات پر جلتا بھنتا رہتا ہے کہ ہمیں یہ مرتبہ کیوں نصیب نہیں۔ وہ اس تاک میں رہتا ہے کہ کب کوئی موقع ملے اور کب وہ بادشاہ سے ان کی جھوٹی سچی شکایت کر کے اور بادشاہ کو ان کی طرف سے بدگمان کر کے بامِ عروج سے قصرِ مذلّت میں پھینک دے اور خود ان کی جگہ مسلّط ہو جائے۔ چنانچہ جونہی اس قسم کے لوگوں کو ایسا ذرا سا بھی موقع میسر آتا ہے۔ وہ اس سے پُورا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بادشاہ چونکہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی شخص ان پر مسلّط نہ ہو جائے یا اتنی طاقت حاصل نہ کرے جو ان کے زوال کا باعث ہو اس لئے وہ آسانی سے ان حاسدین کی باتوں میں آجاتے ہیں۔ بدگمانیاں پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں سے شروع ہوتی ہیں اور وہی چھوٹے چھوٹے عیوب بعد میں بڑے بڑے گناہ بن جاتے ہیں، معمولی توہمات آگے چل کر بڑے بھیانک خطرات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور بادشاہ اس بات کے درپے ہو جاتا ہے کہ جس طرح بھی ہو اس خاندان کا اس طرح نام و نشان مٹا دے کہ دوبارہ اس میں پنپنے کی طاقت نہ رہے وہ اس کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرتا ہے اور اس کے لئے بدترین

ظلم وستم کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتا تھا۔ یہ بات ہارون الرشید اور برامکہ ہی سے خاص نہیں تھی بلکہ مستب۔ بادشاہ اپنے وزراء اور مددگاروں کے ساتھ ہمیشہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہے بیشک چند وزرا ایسے بھی ہوتے ہیں جو بادشاہوں کی اس طبیعت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے کہ کہیں بادشاہ بدگمان ہو کر ان کو قتل نہ کر ڈالے لیکن ایسے دور اندیش وزراء وامراء کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ برامکہ اپنی شان وشوکت کی نمائش بہت کرتے تھے، ان کے پاس بے حد مال و زر تھا۔ ان کے عظیم الشان محلات خلیفہ کے محلات کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان کی مجلس میں وہی رعب وجلال ہوتا تھا، جو خلیفہ کے دربار میں ہوتا تھا، اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ ان کی اس شان وشوکت کو دیکھ کر ہارون کا دل متغیر ہو گیا ہو۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہارون نے اپنے ایک رشتہ دار کو بلایا اور باتوں باتوں میں اس سے کہنے لگا:

"میں نے اپنی اولاد کو غربت کی حالت میں رکھا اور برامکہ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا اس کا نتیجہ میرے سامنے ہے۔ اس کھڑکی میں کھڑے ہو جاؤ اور ان کے محلات کی طرف نظر اٹھا کر لوگوں کے اس اژدحام کو دیکھو جو ان کے دروازوں پر کھڑا ہے مجھے بتاؤ کہ مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔"

اس شخص نے نرمی سے جواب دیا:

"آپ امیر المومنین ہیں، برامکہ محض آپ کے خادم ہیں اور جو کچھ ان کا ہے وہ

درحقیقت سب آپ کا ہے، اس لئے آپ کو کوئی فکر نہیں کرنا چاہئے۔"
جعفر کو بھی اس گفتگو کا حال معلوم ہو گیا وہ ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا
" امیر المومنین! جو محل میں نے بنایا ہے وہ آپ ہی کا ہے۔ میں نے اسے
مامون کے لئے بنوایا تھا اور وہی اس کا مالک ہو گا۔
یہ سن کر ہارون کا غصہ فرو ہو گیا اور جعفر اپنے محل کی طرف واپس چلا گیا۔
واقعہ یہ ہے کہ برامکہ کے زوال کا سبب کوئی فوری حادثہ نہیں بلکہ یہ حادثہ اسباب
کی ایک لمبی کڑی سے مربوط ہے۔
عباسیوں کے موالیوں میں سے ایک شخص فضل بن ربیع تھا فضل کو ہارون کی
خلافت کے اوائل میں سلطنت کا کوئی قابل ذکر عہدہ نہ مل سکا۔ کیونکہ ہارون کی والدہ
ملکہ خیزران نے اس کو سلطنت کا کوئی بھی منصب سپرد کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ۱۷۴ھ
۷۸۹ء میں جس دن خیزران کی وفات ہوئی۔ اسی دن ہارون نے فضل کو بلا کر حکم دیا
کہ وہ جعفر سے خاتم وزارت لے لے۔ اس زمانہ میں جس شخص کو بادشاہ کی طرف سے
انگوٹھی مرحمت کی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اسے سلطنت کا کوئی عہدہ
تفویض کیا گیا ہے، فضل نے اسماعیل بن صبیح کاتب سے کہا کہ میری شان اس
سے بہت بلند ہے کہ میں جعفر کو لکھ کر اس سے مہر لوں بلکہ اسے خود چاہئے کہ
وہ مہر میرے حوالے کر دے۔
فضل برامکہ کا شدید دشمن تھا اور چاہتا تھا کہ انھیں جو اختیارات حاصل ہیں وہ
سارے اسے مل جائیں۔ اس لئے اس نے درپردہ ہارون کو برامکہ کے خلاف
بھڑکانا شروع کر دیا۔

۱۷۶ھ - ۷۹۲ء میں یحییٰ بن عبداللہ کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ فضل بن یحییٰ برمکی
نے اس کو بہلا پھسلا کر اور ہارون سے امان لے کر اطاعت خلیفہ پر راضی کر لیا اور
اسے اپنے ساتھ لے کر بغداد آیا وہاں اول اول تو ہارون نے اس کی بہت عزت
کی لیکن زمانہ سدا ایک جیسا نہیں رہتا۔ چغل خوروں نے خلیفہ کے پاس جا جا کر
مختلف قسم کی تہمتیں اور الزامات اس پر لگانے شروع کئے کہ یحییٰ اپنی خلافت چاہتا ہے
اور اس کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں ہے۔ ان چغل خوروں میں سب سے
پیش پیش بکار بن عبداللہ زبیدی تھا جو آلِ علی کا شدید دشمن تھا۔ ہارون چونکہ بہت
ہی شکی واقع ہوا تھا۔ اس نے یقین کر لیا کہ واقعی یحییٰ اس کے خلاف بغاوت کی تیاری
میں مشغول ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے یحییٰ کے لئے جو آسانیاں مہیا تھیں انہیں
چھین لیا گیا۔ پھر اسے قید کر کے اس پر سختی شروع کر دی گئی۔ کچھ دنوں بعد ہارون
نے ارادہ کیا کہ اسے قتل کرا دے لیکن چونکہ اس نے اس کو امان دے رکھی تھی اس لئے
اس کے لئے یہ بہت مشکل تھا کہ علی الاعلان امان کو توڑ کر اسے قتل کرا دے۔
کیونکہ لوگوں پر اس کا بہت برا اثر پڑتا تھا۔ اس نے علماء و فقہا سے اس قسم کے فتوی
لینے چاہے کہ جو امان اس نے یحییٰ کو دی تھی لغو ہے اور اب وہ مستوجب قتل ہے
امام ابو یوسف رح نے ایسا فتوے دینے سے انکار کر دیا۔ البتہ ابوالبختری نے
فتوے دے دیا کہ امان منسوخ ہے اور ساتھ ہی اس کی چند وجوہات بھی لکھ دیں
جس سے خوش ہو کر ہارون نے اس کو قاضی القضاۃ بنا دیا اور امان منسوخ کر دی۔
اگر غور سے دیکھا جائے تو فضل بن ربیع ہی یحییٰ بن عبداللہ کے خلاف شکایات
[illegible] چپکے چپکے خلیفہ کے پاس جا کر اس کی شکایتیں کیا کرتے

اس طرح فضل بن یحییٰ برمکی اور اُس کے خاندان کو ذلیل کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ اُس نے ہی یحییٰ کو مطیع کیا تھا اور ہارون سے اس کی جان بخشی کی درخواست کی تھی۔ فضل چاہتا تھا کہ برامکہ کا بالکل استیصال کر دے اور ان کی مسند پر خود قبضہ کرے۔ اس بات کا ثبوت کہ فضل بن ربیع ہی چغل خوروں کے ذریعے سے یحییٰ کے خلاف ہارون کو بھڑکاتا تھا، اس بات سے ملتا ہے کہ ایک دن جبکہ ہارون الرشید یحییٰ سے جھگڑ رہا تھا تو یحییٰ نے فضل کی طرف دیکھا اور کہا:

- خدا کی قسم! یہ ساری آفت تیری ہی ڈھائی ہوئی ہے۔

برامکہ کوشش کرتے تھے کہ یحییٰ کو چھڑا لیں چنانچہ جعفر نے جس کی تحویل میں خلیفہ نے یحییٰ کو رکھا ہوا تھا۔ ایک بار درپردہ چپکے سے آزاد کر دیا۔

ابو محمد یزیدی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کو ان واقعات کا سب سے زیادہ علم تھا کہتا ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی بھی جعفر بن یحییٰ کے قتل کی ایک وجہ بنی۔ یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ہارون نے یحییٰ کو جعفر کے سپرد کیا تھا اس نے اس کو قید کر دیا۔ ایک رات جعفر نے یحییٰ کو اپنے پاس بلایا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ یحییٰ نے کہا:

"مجھے میرے معاملہ میں خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ میں بے گناہ ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو اس طرح محمد رسول اللہ صلعم کو اپنا دشمن نہ بنا لے۔ میں نے کبھی کسی گناہ یا بُری بات کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ہی کسی گناہ گار اور بدبختی کو پناہ دی ہے۔"

جعفر پر اس کی باتوں کا بہت اثر ہوا اور اُس نے اس سے کہا کہ تم جہاں چاہو چلے جاؤ میں تمھیں ہرگز نہیں روکوں گا۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ میں کیسے جا سکتا

ہوں۔ اگر آج بھاگ بھی گیا تو مجھے پناہ کون دے گا۔ چند دن کے بعد پکڑ لیا جاؤں گا اور دوبارہ قید کر لیا جاؤں گا۔

جعفر نے چند آدمیوں کو اس کے ساتھ کر دیا جو اسے کسی پناہ کی جگہ میں پہنچا آئے۔

فضل بن ربیع کو یہ خبر پہنچ گئی۔ اُس نے اپنی ایک لونڈی کو مقرر کیا کہ وہ پتہ لگائے کہ خبر سچ ہے یا غلط۔ لونڈی نے پتہ لا کر دیا کہ خبر سچ ہے اور جعفر نے یحییٰ کو چھوڑ دیا ہے

اس پر فضل فوراً ہارون الرشید کی خدمت میں پہنچا اور اس کو ساری بات بتا دی۔ ہارون الرشید کو بڑا غصہ آیا مگر اس نے اپنے غصّے کو فضل پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لاپروائی سے اُس سے کہنے لگا:

"تمھیں اس سے کیا۔ تمھیں کیا پتہ کہ جعفر نے اس کو میرے ہی حکم سے چھوڑا ہو" فضل مُنہ لٹکائے ہوئے چلا گیا۔ ادھر ہارون نے جعفر کو کھانے پر بلایا اور اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ آخر میں اس سے یحییٰ بن عبداللہ کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے۔ جعفر نے جواب دیا کہ وہ بدستور میری قید میں ہے۔ ہارون نے کہا "ذرا قسم تو کھاؤ۔" جب ہارون نے یہ فقرہ کہا تو جعفر کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ بڑا نفس شناس آدمی تھا۔ فوراً تاڑ گیا کہ ہارون کو اس معاملے کی خبر پہنچ گئی ہے۔ اُس نے کہا۔

"امیر المومنین! سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔"

ہارون نے اپنے ارادے کو اس پر ظاہر ہونے نہ دیا اور کہنے لگا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو اس کو رہا کر دیا، خود میرا بھی یہی ارادہ تھا۔"

تھوڑی دیر کے بعد جعفر نے جانے کی اجازت مانگی اور جانے لگا۔ ہارون اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ جب وہ دور چلا گیا تو دانت پیس کر کہنے لگا۔

"خدا مجھے کبھی نیک کام کی توفیق نہ دے اگر میں نے تجھے قتل نہ کرا دیا۔"

چنانچہ چند دن بعد ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا

ہارون کو اگرچہ جعفر کے متعلق اور بہت سی بدگمانیاں تھیں لیکن اس کے وہم میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جعفر ایسا کام بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ یحییٰ کی رہائی اس کی مملکت کے لئے اور اس کے جانشین کے لئے سخت خطرے کا باعث تھی۔

اس واقعے میں عجیب بات یہ ہے کہ جب فضل بن ربیع کو یہ پتہ چلا کہ جعفر نے یہ حرکت کی ہے تو اس نے اپنی ایک خاص الخاص کنیز کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ پتہ چلائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ فضل بن ربیع کس طرح جعفر کے حالات کی ٹوہ میں رہتا تھا۔

وزراء کی سب سے بڑی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ اس واقعہ سے چغل خوروں نے بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا کہ برامکہ آپ کے وفادار اور خیر خواہ نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بات ہارون الرشید کے دل میں بیٹھ گئی۔ چغل خوروں اور حاسدوں نے بادشاہ سے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ برامکہ عباسیوں کی مصلحتوں سے زیادہ علویوں کی مصلحتوں کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ تہمت مہدی کے زمانے میں لوگوں پر زندیقیت

کا تہمت لگانے سے بھی زیادہ سخت تھی ۔ زندیقیت کی تہمت فضل کے والد ربیع بن یونس نے ابو عبداللہ کے خلاف (جو مہدی کا وزیر تھا) استعمال کی تھی یہی تہمت لگا کر اس نے اس کے بیٹے کو قتل کروا دیا تھا ۔

ظاہر ہے کہ اب ہارون الرشید کے دل میں برامکہ کی طرف سے بدگمانیاں بڑھتی چلی گئیں اور اس کی طرف ان کے خلاف نفرت کا برملا اظہار ہونے لگا بختیشوع طبیب نے واقعہ بیان کیا ہے کہ اس کا باپ جبریل ایک دن ہارون الرشید کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک یحییٰ بن خالد آ گیا ۔ یحییٰ ہارون الرشید کے پاس بغیر اجازت چلا آتا تھا ۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ بغیر اجازت ہی چلا آیا ۔ اور خلیفہ کے قریب آ کر اس کو سلام کیا ، ہارون نے بہت آہستہ سے سلام کا جواب دیا ۔ یحییٰ فوراً سمجھ گیا کہ معاملہ بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ پھر ہارون جبریل کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا ۔

"جبریل ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مکان میں بیٹھے ہو اور کوئی شخص بغیر اجازت تمہارے پاس چلا آئے"

جبریل نے جواب دیا :

"امیر المومنین ! میں تو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص میرے پاس بغیر اجازت چلا آئے ۔ میں کیا کوئی بھی یہ پسند نہیں کرے گا ۔"

ہارون نے کہا ۔

"پھر پتہ نہیں لوگ ہمارے پاس بغیر اجازت کیوں چلے آتے ہیں ؟"

یحییٰ گھبرا ہو گیا اور کہنے لگا :

"امیر المومنین! یہ پہلی بار نہیں ہے کہ آپ کے پاس بغیر اجازت چلا آیا ہوں بلکہ شروع ہی سے امیر المومنین نے مجھے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اب اگر آپ پسند نہیں کرتے تو میں اجازت لے کر آیا کروں گا۔"

ہارون نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا اور کہنے لگا۔

"میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمھیں یہ کہوں کہ آئندہ اجازت لے کر آیا کرو لیکن لوگ ایسا کہتے ہیں اور میں نے وہی بات دہرادی ہے۔"

سلیمان بن جعفر کا غلام، محمد بن فضل بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ یحییٰ بن خالد ہارون کے پاس آیا۔ اس کے آنے پر دو خادم کھڑے ہو گئے۔ اس پر ہارون نے مسرور خادم کو کہا کہ ان دونوں خادموں کو کہہ دو کہ یحییٰ کے آنے پر کھڑے نہ ہوا کریں۔ پوچھا کہ جب یحییٰ دوبارہ دربار میں آیا تو وہ کھڑے نہ ہوئے یحییٰ بھی یہ بات سمجھ گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ یحییٰ دربار میں پانی مانگتا تھا تو کوئی خادم اس کی بات پر کان نہ دھرتا تھا اور اگر پانی ملتا بھی تھا تو کئی مرتبہ کہنے کے بعد۔

یعقوب بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ ابراہیم بن مہدی، جعفر کے پاس اس محل میں جو اس نے کثیر لاگت سے تیار کرایا تھا گیا۔ جعفر اس سے کہنے لگا "مجھے منصور ابن زیاد پر بے حد تعجب آتا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا "کیا تمھیں اس محل میں کوئی نقص نظر آتا ہے؟" اس نے کہا "اس میں عیب یہ ہے کہ ایک تو اس محل میں اینٹ نہیں ہے اور دوسرے صنوبر کا درخت نہیں ہے۔" ابراہیم کہنے لگا "یہ تو اس کی بے وقوفی ہے۔ ہاں مجھے ایک عیب نظر آتا ہے۔

وہ یہ کہ آپ نے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کئے ہیں۔ لوگ امیر المومنین کو جاکر بھڑکائیں گے کہ جعفر نے سلطنت کے خزانے میں دست درازی شروع کر دی ہے۔ اس نے اپنے محل بنانے پر دو کروڑ درہم خرچ کیے ہیں اور انعام اور بخشش اس کے علاوہ، جن کا کچھ شمار نہیں۔ چنانچہ امیر المومنین پر اس شکایت کا ضرور اثر ہوگا۔"

جعفر بھی یہ بات سمجھ گیا اور اس نے بعض لوگوں کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ ہارون کے دربار میں اگر اس کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ اس کو آگر بنا دیں۔

گو برامکہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ خلیفہ کا دل ان کی طرف سے پھر چکا ہے۔ اور وہ ان کی طرف سے بدظن ہو گیا ہے۔ تاہم کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس بدظنی کا انجام اس قدر الم ناک ہوگا۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح نفرت اور شک و شبہات کے بیج جانبین کے دلوں میں نشو و نما پا رہے تھے۔ آخر ہوتے ہوتے ایسا وقت بھی آگیا کہ ہارون نے پوری طاقت سے برامکہ کی حیثیت خاک میں ملا ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن وہ اس خاندان کو تباہ کرنے اور جعفر کو قتل کرانے کے لئے کسی مناسب موقعہ کی تلاش میں تھا۔ ادھر یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی کے واقعے کی وجہ سے اس کے دل میں جعفر کے خلاف نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ اور فضل بن ربیع جا و بے جا شکایتیں کر کے اس آگ کو ہوا دے رہا تھا ادھر ہارون کی بیوی زبیدہ کی مخالفت نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا تھا۔

زبیدہ جعفر سے بہت نفرت کرتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہارون اس کے بیٹے امین کو ولی عہد بنائے لیکن جعفر اس کے سوتیلے بیٹے مامون کے حق میں تھا اور اس نے ہارون کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ امین کے بعد مامون کی ولی عہدی کا فرمان لکھ دے گا۔ زبیدہ کو خطرہ تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد، جعفر کہیں امین اور مامون کی لڑائی کا باعث نہ بنے۔ ان سب باتوں نے مل ملا کر برامکہ کے خلاف فضا تیار کر دی۔

جعفر کا قتل

ہارون الرشید ۱۸۶ھ - ۸۰۲ء میں حج کے لئے مکہ معظمہ گیا اور اوائل ۱۸۷ھ - ۸۰۳ء میں وہاں سے واپس لوٹا۔ واپسی پر وہ انبار میں ٹھیرا۔ یہ مقام اسے بہت پسند تھا اور اسی لئے یہاں اس نے ایک عالیشان محل بھی بنوایا تھا۔ اس کے ساتھ باقی لوگوں نے بھی یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔

محل میں خلیفہ اکیلا ہی مقیم تھا۔ اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون دوسری جگہوں پر فروکش تھے۔ امین کے ساتھ فضل بن یحییٰ تھا اور مامون کے ساتھ جعفر۔ یحییٰ بن خالد امور مملکت کی دیکھ بھال کے لئے بغداد چلا گیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد فضل بھی بغداد میں اپنے والد کے پاس آ گیا کیونکہ اسے عیش و عشرت کی زندگی سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔

ایک عرصے تک قافلے کے لوگ انبار میں عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ دن سیر و شکار میں گزارتے تھے اور راتیں ہنسی مذاق اور آرام میں۔ البتہ عیش و آرام کے ساتھ ساتھ سب کو ایک بے چینی بھی لاحق تھی۔ وہ یہ کہ خلیفہ سب لوگوں سے الگ تھلگ محل میں مقیم تھا۔ نہ وہ کسی مجلس میں بیٹھتا تھا اور نہ کسی کو اپنے حضور میں طلب کرتا تھا۔ ہر شخص کو یقین تھا کہ عنقریب کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ضرور رونما ہونے والا ہے۔

لشکر میں خلیفہ کے اس طرز عمل کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ہر کوئی اپنا اپنا خیال ظاہر کرتا تھا۔ لیکن اصل بات کا کسی کو بھی علم نہ تھا۔ جعفر ہر روز صبح کو سلطنت کے امور کی انجام دہی اور اطراف سے آئی ہوئی ڈاک پیش کرنے کے لئے خلیفہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ خلیفہ سے اس کی اس پُراسرار علیحدگی کے متعلق ہمیشہ پوچھتا تھا لیکن خلیفہ ٹال جاتا تھا۔ البتہ جب وہ اپنا کام سرانجام دے کر محل سے باہر آتا تھا۔ تو بہت شاداں و فرحاں ہوتا تھا۔ کیونکہ خلیفہ اس سے بہت مہربانی اور لطف و عنایت سے پیش آتا تھا۔

ایک روز صبح سویرے جعفر کے پاس خلیفہ کا حکم پہنچا کہ امور کے ایک کاتب "اناس" کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس کام میں قطعاً تاخیر نہ کی جائے۔ یہ حکم سن کر جعفر کی گھبراہٹ اور بے چینی کی انتہا نہ رہی۔ وہ فوراً خلیفہ کے پاس محل میں گیا۔ خلیفہ اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اس نے اسی حالت اضطراب میں دریافت کیا۔ "کیا اناس کے قتل کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور آپ ہی کی طرف سے دیا گیا ہے"۔

خلیفہ نے جواب دیا:

"ہاں وہ حکم صحیح ہے اور میری طرف سے دیا گیا ہے"۔

جعفر نے پوچھا

"لیکن امیرالمومنین! اس کا قصور کیا ہے؟

خلیفہ نے جواب دیا:

"وہ زندیق اور کافر ہے

جعفر نے کہا:

"امیر المومنین! تو کیا مجھ پر حضور کی مہربانیاں اور عنایات سب ختم ہو گئیں؟"

خلیفہ نے جواب دیا:

"یہ کیا سوال ہے۔ وہ اناس زندیق ہے۔ میری تم سے محبت اور مہربانی کا اس سے کیا تعلق؟"

خلیفہ نے اسی وقت جعفر کو بیش قدر انعام دینے کا حکم دیا اور جعفر واپس چلا آیا۔

اس حادثے کو چند روز گزر گئے۔ جعفر پر برابر خلیفہ کی نوازشات اور انعامات کی بارش ہوتی رہی۔ لیکن جعفر جیسا عقلمند اور جہاندیدہ شخص خوب سمجھتا تھا کہ یہ نوازشات اور انعامات خالی از علت نہیں۔

محرم کے آخری دن کی بات ہے۔ جعفر خلیفہ کے ساتھ شکار کو گیا۔ شام کو تھکا ماندہ واپس آیا۔ واپس آنے پر اس نے دیکھا کہ اس کے بعض ساتھی اور دوست محل میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے عیش و نشاط کی مجلس جمانے کا حکم دیا اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔

ادھر ہارون الرشید اپنے محل میں اکیلا تھا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے اثرات ہویدا تھے۔ وہ اپنے کمرے میں کبھی ادھر سے ادھر ٹہلنے لگتا اور کبھی کھڑکی میں کھڑا ہو جاتا۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر کبھی زمین کی طرف دیکھنے لگتا۔ کبھی آسمان کی طرف اپنی نظریں گاڑ دیتا۔ آخر اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جو کے قریب وہ ایک مصمم عزم کر چکا تھا۔ اس نے اپنے دربان مسرور کو آواز دی۔ وہ آیا اور خلیفہ کے سامنے

دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"مسرور! کیا تو اپنے میں اتنی طاقت پاتا ہے کہ امیر المومنین تجھے جو بھی حکم دیں وہ بلا چون و چرا بجا لائے؟"

مسرور نے جواب دیا:

"اگر امیر المومنین مجھے حکم دیں کہ میں اپنا سر کاٹ کر ان کے آگے پھینک دوں تو میں ایسا کرنے کے لئے بھی تیار رہوں۔"

خلیفہ نے کہا:

"ہاں مجھے تجھ سے یہی اُمید ہے۔ تو جعفر کے پاس جا اور اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر۔"

مسرور نے خلیفہ کا یہ حکم قبول تو کر لیا، لیکن وہ حیرت اور دہشت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ خلیفہ کے سامنے کھڑا رہا۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا، تو اس کی تیوری پر غصے کی وجہ سے بل پڑ گئے اور اُس نے کہا:

"جو شخص میرے احکام کی بجا آوری میں دیر کرے گا۔ وہ اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔"

اب مسرور کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ جعفر کی قیام گاہ پر آیا اور اس سے کہا کہ امیر المومنین آپ کو طلب فرماتے ہیں۔ جعفر نے اپنے دوستوں سے معذرت طلب کی، اور مسرور کے ساتھ باہر نکلا لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اُس نے دیکھا کہ مسرور اس کی مشکیں کس رہا ہے۔ جب جعفر کو یہ معلوم ہوا کہ مسرور خلیفہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہے تو اس کے چہرے پر دہشت اور خوف کے اثرات

نمودار ہوئے لیکن اُس نے اپنے آپ پر قابو پا کر مسرور سے کہا :
"مسرور! تم مجھ سے ہنسی کر رہے ہو۔ یقیناً امیر المومنین نے بھی مذاق ہی کیا ہے۔"

مسرور نے کہا :
"اگر میں مذاق کر رہا ہوں تو خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے امیر المومنین کو آج کی رات سے زیادہ سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا۔"

جعفر نے کہا :
"تب اُنھوں نے نبیذ کے نشے میں ایسا حکم دے دیا ہوگا۔"

مسرور نے جواب دیا: "نبیذ تو کئی روز سے امیر المومنین نے چکھی تک نہیں۔"

جعفر نے عالم بے چارگی میں کہا :
"اے مسرور! یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔"

جب مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا، تو جعفر زمین پر گر پڑا اور لوٹنے لگا اس نے مسرور سے کہا :

"مسرور! میں تجھ پر کتنا مہربان تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

مسرور نے جواب دیا :
"اللہ ہی اصل حقیقت جانتا ہے۔"

جعفر نے کہا :
"میں ان احسانات کا جو میں نے تجھ پر کیں، واسطہ دے کر

کہتا ہوں کہ تُو مجھے امیر المومنین کے حضور لے چل۔ مجھے یقین ہے، کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے۔ تو میری جان بخشی کر دیں گے۔

مسرور نے جواب دیا:

"یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ بادشاہ آپ کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا۔"

جعفر نے کہا:

"اگر اور کچھ نہیں، تو کم از کم مجھ پر اتنی مہربانی تو کرو کہ امیر المومنین کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی۔ وہ ضرور تم پر ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ میں نے ایسا حکم ہرگز نہیں دیا۔ اس صورت میں میری جان بخشی ہو سکے گی۔ لیکن اگر امیر المومنین نے اپنے پہلے حکم پر ہی اصرار کیا، تو پھر تم بیشک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا۔"

مسرور نے یہ بات مان لی اور جعفر کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے خلیفہ کے پاس آیا۔ جب ہارون الرشید نے اسے دیکھا تو قبل اس کے کہ مسرور اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالتا، اس نے کہا:

"اے خائن! جعفر کا سر کہاں ہے؟"

مسرور نے جلدی سے جواب دیا "امیر المومنین! محل ہی میں ہے۔"

خلیفہ نے کہا۔

"میں جعفر کا سر یہاں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ یاد رکھ، جعفر کی جگہ تیرا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔"

مسرور یہ سن کر جعفر کے پاس آیا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے تمام ماجرے کی

اس کو خبر دی۔ اس پر جعفر نے خاموشی کے ساتھ جیب سے رومال نکال کر اپنی

آنکھوں پر باندھ لیا اور مسرور سے کہا:

"جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ بجا لا۔"

مسرور نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر جعفر کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے

لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جب خلیفہ کی نظر جعفر کے سر پر پڑی تو وہ خوشی اور رنج کے ملے جلے جذبات

سے مغلوب ہو کر چلا اٹھا۔ پھر وہ مسرور کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

"اسے جلاد! میرے پاس سے دور ہو۔ تو مجھے ڈراتا ہے؟"

مسرور چلا گیا اور خلیفہ، جعفر کے سر کے ساتھ کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ وہ

دیر تک اسے دیکھتا رہا آخر بے قابو ہو کر رونے لگا

اسی رات اس نے بغداد، رقہ، اور ملک کے تمام علاقوں میں قاصد روانہ

کر دیئے۔ ہر قاصد کے پاس علاقے کے حاکم کے نام ایک پروانہ تھا جس میں برامکہ

ان کے ساتھیوں اور مددگاروں کو گرفتار کرنے اور ان کی تمام املاک ضبط کرنے

کا حکم درج تھا۔ چنانچہ اس حکم پر بہت شدت سے عمل کیا گیا۔ برامکہ کے کل مال و اسباب

نقدی اور جاگیروں کی ضبطی سے تین کروڑ چھ لاکھ چھہتر ہزار درہم وصول ہوئے

منجملہ اس کے ایک کروڑ بیس لاکھ درہم کی رقم صرف خراج کی آمدنی تھی۔ جو برامکہ کی

جاگیروں سے وصول ہو کر داخل خزانہ ہوئی تھی۔

یحییٰ اور اس کے بیٹوں (فضل اور محمد) کو سوائے موسیٰ بن یحییٰ کے قید کر لیا

گیا۔ انھیں زیر تالم میں رکھا گیا اور ان کی حفاظت کے لئے پہرے دار مقرر کر دیئے

گئے۔ شروع میں انھیں قید میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا تھیں۔ ان کے بیشتر خادم اور لونڈیاں ان کی خدمت کے لئے ان کے پاس ہی رہنے دی گئی تھیں۔ لیکن بعد میں ہارون نے یہ سہولتیں چھین لیں اور انھیں قید با مشقت میں ڈال کر ہر قسم کی سختیاں ان پر کرنے لگا۔

فخری، جعفر کے قتل کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے :

"ہارون ۱۸۶ھ - ۸۰۲ء میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ واپسی میں اس نے جعفر کے ساتھ حیرہ سے انبار تک کشتی میں سفر کیا۔ انبار میں عیش و عشرت کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ روزانہ جعفر کو ہارون کی طرف سے تحفے تحائف موصول ہوتے تھے۔ محرم کے اواخر میں ایک دن شام کو ہارون نے اپنے خادم مسرور کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ جائے اور جعفر کا سر کاٹ کر اس کے سامنے حاضر کرے۔ چنانچہ وہ گیا۔ جعفر کے ہاں راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔ مسرور بغیر اجازت جعفر کے پاس چلا گیا۔ اس وقت ابو رکاز یہ شعر پڑھ رہا تھا:

فلا تبعد فکل فتی سیأتی

علیہ الموت یطرق او یغادی

(تو بے پروانہ ہو، ہر جوان کو موت آئے گی، رات کو آئے گی یا صبح کو)

جب جعفر نے مسرور کو دیکھا تو اس نے کہا:

"مسرور! تمھارے آنے سے خوشی ہوئی، لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔"

مسرور نے کہا:

"میں جس کام کے لئے آیا ہوں وہ اس سے بھی زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آپ تیار ہو جائیے۔"

یہ سُن کر جعفر، مسرور کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا:

"امیر المومنین نے نبیذ کی ترنگ میں مذاقاً حکم دے دیا ہو گا۔ تم لوٹ جاؤ۔"

لیکن مسرور نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ اس پر جعفر نے اس سے التجا کی کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ میں گھر میں جا کر جو وصیت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کر دی اور کہا "جو وصیت کرنی ہے یہیں کر لیجئے۔ یہاں سے کہیں جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔"

چنانچہ جعفر نے وہیں وصیت کی اور اس کے ساتھ ہارون کے محل میں آیا وہاں جا کر مسرور اسے ایک خیمے میں لے گیا اور اُس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد وہ ایک ڈھال میں اس کا سر لے کر، اور ایک چمڑے میں اس کا جسم ڈال کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ ہارون نے اس کے والد، بھائیوں، رشتے داروں اور ساتھیوں کو رقہ میں قید کر دیا اور ان کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا۔"

مسعودی نے مروج الذہب میں اس واقعہ کی تفصیل یوں لکھی ہے:

"جعفر کو وزیر بنے ایک مدت گزر گئی تھی، اُس کا باپ اور اُس کے بھائی، مملکت پر پورے طور پر حاوی ہو گئے تھے۔ زبیدہ، ہارون کی نہایت ہی محبوب بیوی تھی۔ ہارون اس کے کہنے کو کسی صورت میں بھی ٹالتا نہیں تھا۔ وہ برابر ہارون کو جعفر کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ آخر جب ہارون نے اس کے قتل کا پکا ارادہ

کر لیا تو اُس نے اپنے خاص ... ... اس سے کہا

"یاسر! جس کام کے لئے میں نے تجھے اس وقت طلب کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین) میں ہے نہ عبداللہ (مامون) میں اور نہ قاسم (مؤتمن) میں۔ اچھی طرح یاد رکھ، میں جو حکم دیتا ہوں، اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کیجو، ورنہ تیرے مرتبے اور اعزاز میں فرق آجائے گا۔"

یاسر نے جواب دیا:

"امیرالمومنین! اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کر دوں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے جو حکم دینا چاہتے ہیں دیجئے۔ میں انشاءاللہ فوراً اس کی تعمیل کر دوں گا۔"

ہارون الرشید نے کہا:

"کیا تو جعفر بن خالد برمکی کو جانتا ہے؟"

یاسر نے جواب دیا:

"جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ ایسا کون ہے جو اسے نہ جانتا ہو۔"

ہارون الرشید نے کہا:

"اچھا اسی وقت جا اور جس حالت میں بھی جعفر تجھے ملے، اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر۔"

یہ سن کر یاسر پر گویا بجلی گر پڑی۔ وہ حیران، پریشان، خاموش کھڑا رہا۔

ہارون الرشید نے کہا:

"تجھے معلوم نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ہوگا؟"

یاسر نے جواب دیا :

"امیر المومنین ! یقیناً مجھے پتہ ہے ۔ لیکن یہ سخت مشکل کام ہے ۔ میں اس کام کی بہ نسبت مرجانا بہتر سمجھتا ہوں ۔"

ہارون الرشید نے غصے میں کہا ۔ "تجھے یہ کام کرنا پڑے گا ۔ اب اگر کوئی عذر کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائے گا ۔"

مجبوراً یاسر ارکانِ سلطنت اور فوجی سپاہیوں کے ایک دستے کو لے کر جعفر کی رہائش گاہ کی طرف چلا ۔ جعفر کے ہاں محفل جمی ہوئی تھی ۔ وہاں پہنچ کر یاسر نے جعفر سے کہا :

"مجھے امیر المومنین نے آپ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ۔"

جعفر نے کہا :

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے ۔ انھوں نے نبیذ کی ترنگ میں مذاقاً ایسا حکم دیا ہوگا ۔ یہ ان کا اصلی حکم نہیں ہے ۔"

یاسر نے جواب دیا :

"آپ کا خیال غلط ہے ۔ نہ امیر المومنین نے مذاق میں ایسا حکم دیا ہے اور نہ نبیذ کی ترنگ میں ۔ انھوں نے کئی روز سے نبیذ کی شکل تک نہیں دیکھی ۔"

اب جعفر نے التجا آمیز لہجہ میں یاسر سے کہا :

"تجھ پر میرے ان گنت حقوق ہیں ۔ جن کا تو نے آج تک کبھی بدلہ نہیں اتارا ۔ ان احسانات کا بدلہ اتارنے کا یہی وقت ہے ۔"

یاسر نے جواب دیا :

"میں ضرور اپنا بدلہ اُتار دیتا۔ لیکن امیر المومنین کا حکم کسی طرح ٹال نہیں سکتا۔"

جعفر نے کہا:

"تب یوں کرو کہ اس وقت واپس جاؤ۔ اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پاؤ تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر قائم رہیں، تب مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ رات بھر کی اس مہلت کا صلہ میں اس قدر دوں گا، جس کا حساب نہیں۔"

یاسر نے جواب دیا:

"یہ تو ناممکن ہے۔"

جعفر نے کہا:

"اگر تمھارے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے تو میرے قتل میں تھوڑا سا توقف اور کرو اور مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں سے میں امیر المومنین کا حکم اپنے کانوں سے سُن سکوں۔ اگر تمھارا عذر کام نہ آیا اور اُنھوں نے میرے قتل پر ہی اصرار کیا، تو پھر تم بیشک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا۔"

یاسر نے یہ بات مان لی اور جعفر کو لے کر ہارون الرشید کے محل میں آیا۔ جعفر کو باہر ہی چھوڑا اور خود اندر کمرے میں جا کر خلیفہ سے کہا:

"امیر المومنین! میں جعفر کا سر لے آیا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا:

"اسی وقت حاضر کر۔ ورنہ میں تجھے قتل کرا دوں گا۔"

یاسر باہر نکلا اور جعفر سے کہا:

"اب آپ نے خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سُن لیا؟"

جعفر نے کہا :

"ہاں - اب تم بیشک اپنا کام سرانجام دو۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا رومال نکالا اور اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ یاسر نے تلوار چلائی اور اس کا سر تن سے جدا کر کے ہارون کے پاس لے آیا۔ جب ہارون نے جعفر کا سر اپنے سامنے دیکھا تو اپنی گردن اس پر جھکالی اور اس کے گناہوں کا ذکر کرنے لگا۔ اس کے بعد یاسر سے کہا کہ فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ۔ جب یاسر ان لوگوں کو لے کر آیا تو ہارون نے ان سے کہا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ جعفر کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھوں۔

جعفر کی شان وشوکت

علامہ فخری اپنی کتاب "آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ" میں زوال برامکہ کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانۂ اقتدار میں جعفر اور فضل نے بے حد شان وشوکت، بے پناہ اقتدار اور خود مختاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بادشاہ کبھی یہ نہیں چاہتے کہ ان کے وزیروں، امیروں کی طرف سے اس قدر شان وشوکت، اقتدار اور خود مختاری کا مظاہرہ ہو کہ اس کے سامنے ان کی اپنی شان وشوکت اور اقتدار بھی ماند پڑ جائے۔ اسی لئے ہارون الرشید کا غیض وغضب برامکہ پہ نازل ہوا۔

جہاں تک فضل کی شان وشوکت اور خود مختاری کا سوال ہے یہ محض اتہام ہے البتہ جعفر کی شان وشوکت، بے پناہ اقتدار اور خود مختاری کے متعلق کتب سیر وتاریخ میں لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے یہاں صرف دو واقعات درج کرتے ہیں جن سے جعفر کی اس خصلت کا پتہ چلانے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ علامہ فخری کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے کہ یہ شان وشکوہ خلیفہ کی برامکہ سے ناراضی اور بالآخر ان کی تباہی اور ان کا مال واسباب ضبط کئے جانے کا موجب بنی۔ کیونکہ اس کے عہد میں کوئی شخص خواہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہوتا اور اس کا غلبہ واقتدار کتنا ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کو اتنی جرات نہ تھی کہ وہ اپنی دولت وثروت کا مظاہرہ اس شان وشکوہ سے کرتا جیسا جعفر نے کیا۔

جعفر نے ایک روز راگ رنگ کی محفل کا انتظام کیا۔ اس کے تمام ندیم اور

ہم جلیس دستور کے مطابق سُرخ - زرد اور سبز کپڑے پہن کر بیٹھ گئے ۔جعفر نے اپنے دربان کو حکم دے دیا کہ اس کے ایک ندیم عبدالملک بن صالح کے علاوہ، جو کسی وجہ سے اس وقت تک نہ پہنچا تھا، کسی دوسرے شخص کو محل میں داخل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد شراب کا دَور چلنے لگا اور کنیزوں نے گانا بجانا شروع کر دیا۔

ان دنوں بغداد میں بنو ہاشم کا ایک بہت معزز شخص رہتا تھا جس کا نام بھی عبدالملک بن صالح تھا۔ وہ بہت متقی، پرہیز گار اور باوقار انسان تھا۔ ہارون رشید نے ایک مرتبہ اس سے درخواست کی تھی کہ وہ بھی اس کے ندیموں میں شامل ہو کر اس کی مجالس میں شریک ہوا کرے۔ اس غرض کے لیے اس نے اس کو کثیر انعام و اکرام سے بھی نوازا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کرنا منظور نہ کیا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز یہی عبدالملک بن صالح اپنی بعض ضرورتیں لے کر جعفر سے ملنے آیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو دربان نے خیال کیا کہ یہ وہی عبدالملک بن صالح ہے، جس کے متعلق جعفر نے حکم دیا تھا کہ اسے اندر آجانے دیا جائے۔ چنانچہ اس نے عبدالملک کو اندر جانے کی اجازت دے دی۔

جب عبدالملک بن صالح عباسی، جعفر کی مجلس میں پہنچا اور جعفر نے اسے دیکھا تو حیا اور شرم کی وجہ سے وہ پانی پانی ہو گیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ نام کے اشتراک کی وجہ سے دربان کو دھوکا ہو گیا اور اُس نے عبدالملک عباسی کو اس کا ندیم سمجھ کر اندر آنے کی اجازت دے دی، حالانکہ اس جیسے پرہیزگار اور متقی انسان کا ایسے وقت میں اس کے پاس آنا جبکہ شراب اور راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی ہو کسی طرح بھی مناسب نہیں

محفل کا یہ رنگ دیکھ کر اور جعفر کے شرم آلود چہرے پر نظر کر کے، عبدالملک جیسے سنجیدہ انسان نے فوراً اپنی حالت بدل لی اور مسکرا کر کہنے لگا :

"کوئی حرج نہیں۔ ہمارے لئے بھی اس محفل کے مناسب کوئی سبز رنگ کا کپڑا لایا جائے تاکہ ہم اسے پہن کر محفل میں شامل ہوسکیں۔"

چنانچہ فوراً کپڑا لایا گیا جو اُس نے پہن لیا۔ مجلس کا لباس پہن کر وہ جعفر کے ساتھ بیٹھ گیا اور کہا "ہمیں بھی پلاؤ۔" چنانچہ اس کے آگے بھی جام رکھ دیا گیا۔ تھوڑی سی پی کر اُس نے جام رکھ دیا اور کہا "ہمیں اس کی عادت نہیں۔" اس کے بعد وہ کھل کر ندیموں کی طرح باتیں کرنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر جعفر کے چہرے پر رونق آگئی اور شرمندگی کا اثر جاتا رہا۔ وہ بہت خوش ہُوا اور عبدالملک سے کہا:

"آپ کیسے تشریف لائے؟"

عبدالملک نے کہا:

"میں اپنی تین ضرورتیں لے کر آپ کے پاس آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ ان کے متعلق امیرالمومنین سے عرض کریں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھ پر دس لاکھ درہم قرضہ ہے اور مجھے اس کی ادائیگی کی بڑی فکر ہے۔ یہ قرضہ شاہی خزانے سے ادا کر دیا جائے دوسری ضرورت یہ ہے کہ میں اپنے بیٹے کے لئے کسی علاقے کی ولایت چاہتا ہوں۔ جو اس کے شایانِ شان ہو۔ امیرالمومنین اس کو کہیں کا والی بنا کر بھیج دیں۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ امیرالمومنین میرے لڑکے کو اپنی فرزندی میں لینا قبول فرمائیں اور اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دیں۔"

جعفر نے جواب دیا:

"خدا تعالیٰ نے آپ کی یہ تینوں خواہشات پُوری کر دیں۔ مال تو ابھی آپ کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ ولایت کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں نے آپ کے بیٹے کو مصر کا

والی بنا دیا۔ رہی شادی تو امیر المومنین کو اپنی بیٹی کی شادی آپ کے لڑکے کے ساتھ منظور ہے۔"

جعفر کی زبان سے یہ امید افزا جواب سن کر عبد الملک خوش خوش اپنے گھر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جس رقم کا اس نے مطالبہ کیا تھا وہ پہنچ چکی ہے۔

جعفر کے ندیم جو اس وقت حاضر تھے جعفر کی اس جرأت پر متعجب ہوئے کہ وہ خلیفہ کے خاص الخاص اندرونی اور گھریلو معاملات کے متعلق بھی اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ لیکن اس وقت تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے اگلے روز دیکھا کہ جعفر دربار میں گیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا اور اس وقت تک دربار سے باہر نہ نکلا جب تک ہارون نے عبد الملک کے بیٹے کو مصر کی حکومت کا پروانہ نہ دے دیا اور قاضی کو بلا کر اپنی بیٹی کا اس کے بیٹے سے نکاح نہ پڑھوا دیا۔

ہارون رشید کے حضور میں جعفر کی اتنی جرأت اور دلیری کے واقعات پڑھ کر، آج بھی انسان حیرت اور تعجب کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یقین نہیں آتا کہ ایسے واقعات رونما ہوئے ہوں گے۔ لیکن تاریخ بہر حال ان کی تائید کرتی ہے۔ جعفر کا مرتبہ اور مقام ہارون الرشید کے نزدیک اتنا بلند تھا کہ اس کے زمانے میں اور کوئی شخص اس حد تک نہیں پہنچ سکا۔ ہارون الرشید کو جعفر سے اس کی ظرافت، بذلہ سنجی، ادب، حسنِ اخلاق اور حسنِ بیان کی وجہ سے اتنی محبت تھی جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جعفر اخلاق کی بلندی، وسیع القلبی اور نازک اور اعلیٰ جذبات کے لحاظ سے فرد یگانہ تھا۔ ذیل میں جو قصہ درج کیا جا رہا ہے اس سے اس کی سیرت کا یہ پہلو بھی نمایاں

ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

جعفر اور والیِ مصر کے درمیان عداوت اور رنجش تھی جس کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے سے کھنچتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے جعفر کی طرف سے والیِ مصر کو ایک جعلی خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ حامل رقعہ ہذا ہمارے خاص آدمیوں میں سے ہے اور اپنی خاص ضرورت سے آپ کے پاس آرہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس کی ہر ممکن مدد کریں گے اور اس کی ساری ضروریات پوری کردیں گے۔ جو سلوک آپ اس کے ساتھ کریں گے اس کا احسان مجھ پر ہوگا۔

یہ خط لے کر وہ شخص مصر پہنچ گیا اور والیِ مصر کی خدمت میں پیش کردیا جب والیِ مصر نے وہ خط پڑھا تو اسے سخت تعجب ہوا کہ جعفر کس طرح اسے ایسا خط لکھ سکتا ہے۔ اس کے دل میں شک گزرا کہ کہیں یہ خط جعلی نہ ہو۔ وہ خط لانے والے سے تو بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور اس کی رہائش کا بڑا اچھا انتظام کرادیا۔ لیکن بغداد میں اپنے ایک خاص آدمی کو لکھا کہ "ہمارے پاس ایک شخص جو اپنے آپ کو جعفر کا آدمی بیان کرتا ہے۔ ایک خط لایا ہے جو اس خط کے ساتھ ہی بھیجا جارہا ہے۔ مجھے شک ہے کہ کہیں یہ خط جعلی نہ ہو۔ میں حقیقتِ حال جاننا چاہتا ہوں۔ تم مجھے تحقیق کرکے جواب دو کہ آیا یہ خط واقعی جعفر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔"

جب بغداد میں والیِ مصر کے آدمی کے پاس یہ خط پہنچا تو وہ اسے لے کر جعفر کے کاتب کے پاس گیا۔ اور اسے سارا قصہ سنا کر وہ خط دکھایا۔ کاتب وہ

خط لے کر جعفر کے حضور میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا سُنایا۔ جب جعفر نے وہ خط دیکھا تو ایک ہی نظر میں بھانپ گیا کہ خط جعلی ہے۔ اس کے پاس کئی امرا و اعیانِ سلطنت بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے وہ خط ان کے سامنے رکھ دیا اور پُوچھا:

"کیا یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟"

سب کو جعفر کی طرزِ تحریر کا علم تھا۔ ہر ایک نے انکار کیا اور کہا کہ یہ خط سراسر جعلی ہے۔

جعفر نے اُنھیں سارا قصّہ سُنایا اور کہا "خط گھڑنے والا والیِ مصر کے پاس موجود ہے اور والیِ مصر صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہونے کے لئے جواب کا منتظر ہے۔ اب بتاؤ میں اسے کیا جواب دوں اور اس آدمی کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

اس پر ایک مصاحب کہنے لگا:

"اس آدمی کو قتل کر دینا چاہیئے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کام کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔"

دُوسرا بولا:

"مناسب یہ ہے کہ اس کا داہنا ہاتھ، جس سے اُس نے یہ خط لکھا ہے کاٹ ڈالا جائے۔"

تیسرے نے یہ رائے دی کہ اسے سخت سزا دی جائے۔

چوتھے نے بڑی نرمی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا:

"اس آدمی کی سزا یہ ہے کہ جو مقصد یہ شخص حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس سے محروم کر دیا جائے اور تمام حال والیِ مصر کو لکھ دیا جائے تا کہ وہ اسے ناکام واپس لوٹا دے۔"

جب سب اپنی اپنی کہہ چکے تو جعفر بولا:

"سبحان اللہ! کیا تم سب کے سب عقل سے بالکل ہی کورے ہو؟ کیا تمھیں پتہ نہیں کہ میرے اور والیِ مصر کے درمیان کتنی عداوت اور بیگانگت ہے؟ ہم دونوں میں سے ہر ایک کی عزّتِ نفس اسے اس بات سے روکتی ہے کہ وہ صلح کا دروازہ کھولے۔ خُدا تعالیٰ نے ہم دونوں کے درمیان صلح صفائی کرانے، خط و کتابت کا دروازہ کھولنے اور عداوت کو دُور کرنے کے لئے اس آدمی کو مقرر کیا ہے۔ کیا ایسے شخص کا یہی بدلہ ہے جو تم نے تجویز کیا ہے؟"

یہ کہہ کر جعفر نے ہاتھ میں قلم پکڑا اور والیِ مصر کے خط کی پُشت پر لکھ دیا:

"سبحان اللہ! آپ کو میرے مرسلہ خط کے بارے میں کس طرح شک گزرا کہ وہ جعلی ہے؟ یقیناً وہ خط میری ہی طرف سے تھا اور وہ آدمی جو یہ خط آپ کے پاس لے کر گیا تھا میرا خاص آدمی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آئیں گے اور اسے جلدی میرے پاس واپس بھیج دیں گے کیونکہ مجھے اس کی جُدائی گوارا نہیں۔"

جب جعفر کا یہ خط والیِ مصر کے پاس پہنچا تو وہ خوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ اس شخص سے پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور اسے بہت سا مال اور کئی نادر تحفے دے کر بغداد روانہ کر دیا۔

جب یہ شخص مال واسباب اور تحفے تحائف سے لدا پھندا بغداد پہنچا تو سیدھا جعفر کے پاس آیا اور اس کے پاؤں پر گر کر رونے لگا۔ جعفر نے حیرت سے پُوچھا :

"تم کون ہو ؟"

اس نے جواب دیا :

"میں آپ کا غلام ہوں اور وہی شخص ہوں جو آپ کی طرف سے جعلی خط گھڑ کر والیِ مصر کے پاس لے گیا تھا۔"

جعفر نے پُوچھا :

"والیِ مصر نے تمھیں کتنی رقم دی ؟"

اس نے جواب دیا :

"حضور! ایک لاکھ درہم۔"

جعفر نے کہا ،

"اچھا ہم اس رقم میں اتنی رقم کا اضافہ کر دیتے ہیں۔"

چنانچہ اُس نے جعفر کے ہاں سے بھی ایک لاکھ درہم پائے اور اس کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔

برامکہ پر مظالم

ہارون الرشید کی خلافت سے لے کر جعفر کے قتل تک کا عرصہ، سترہ سال سات ماہ پندرہ دن بنتا ہے۔ یہ آل برامکہ کے عروج کا زمانہ تھا۔ لیکن جعفر کے قتل کے بعد اس تمام خاندان پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس پر اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

جعفر کے قتل کے بعد، ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹوں فضل اور موسیٰ اور دیگر افراد خاندان کو گرفتار کر کے، قید خانے میں ڈلوا دیا تھا۔ البتہ ان کے نوکروں کو انہی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ قید میں بھی ان پر سختی نہ کی جاتی تھی۔ لیکن کچھ عرصے بعد یہ تمام آسانیاں چھین لی گئیں اور دوسرے عام قیدیوں کی طرح ان پر بھی سختیاں کی جانے لگیں۔ اس کا سبب بعض مؤرخین یہ بیان کرتے ہیں کہ ہارون الرشید کا یہ خیال تھا کہ برامکہ کے پاس ابھی تک وافر مال ہے جو انھوں نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ اُس نے چاہا کہ یہ مال حاصل کرے لیکن جب برامکہ سے پوچھا گیا تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ انھوں نے ہرگز کوئی مال نہیں چھپایا۔ اس پر ہارون الرشید نے حکم دے دیا کہ برامکہ سے راحت و آرام کے تمام اسباب چھین کر، ان کی قید کو بامشقت کر دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ قید کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکیں گے اور چھپائے ہوئے مال کا پتہ بتا دیں گے۔

خلیل بن ہیثم جسے ہارون الرشید نے قید خانے میں یحییٰ اور فضل کی نگرانی پہ مامور کیا تھا کہتا ہے :

"میرے پاس خلیفہ کا خاص خادم مسرور آیا۔ اس کے ساتھ چند لوگ اور بھی تھے ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک لپٹا ہوا رومال تھا۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ خلیفہ نے ان لوگوں پر کچھ مہربانی کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ مسرور نے آکر مجھ سے کہا :

"فضل بن یحییٰ کو حاضر کرو۔"

جب فضل آیا تو مسرور نے اُس سے کہا :

"امیر المومنین نے میرے ہاتھ تمھیں یہ پیغام بھیجا ہے۔" میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ تم اپنا سارا مال واسباب میرے حوالے کر دو۔ میرا خیال تھا کہ تم نے میرے اس حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ ابھی تک تم نے کچھ مال چھپا رکھا ہے میں اب مسرور کو بھیجتا ہوں۔ میں نے اسے حکم دے دیا ہے کہ اگر تم نے اپنے باقی مال کا پتہ نہ بتایا، تو تمھیں سو کوڑے لگائے جائیں۔"

فضل نے جواب دیا "مسرور! خدا کی قسم میں نے اپنا تمام مال امیر المومنین کے حوالے کر دیا ہے۔"

مسرور نے کہا :

"اے ابو العباس! میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اپنی جان پہ اپنے مال کو ترجیح نہ دو۔ لیکن اگر تم نے مال کا پتہ نہ بتایا تو پھر مجھے مجبوراً وہ ناگوار فرض بجا لانا پڑے گا جس کا مجھے خلیفہ کی بارگاہ سے حکم دیا گیا ہے۔"

یہ سُن کر فضل نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور کہنے لگا:

"اے ابو ہاشم! (کنیت مسرور) میں نے امیر المومنین سے ہرگز جھوٹ نہیں بولا۔ اگر ساری دُنیا میرے قبضے میں ہوتی اور مجھ سے کہا جاتا کہ یا تو میں ایک کوڑا کھا کر دُنیا کو اپنے قبضے میں رکھوں یا کوڑا نہ کھاؤں اور دُنیا کو چھوڑ دوں، تو میں دُنیا کے تمام مال و منال کو چھوڑ دینے کو ترجیح دیتا۔ امیر المومنین بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ ہم ہمیشہ اپنی دولت کے بجائے اپنی عزت بچاتے رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی جانوں کے بدلے اپنے اموال بچائیں۔ البتہ اگر مجھے کوڑے ہی مارنے ہیں تو جو تمہارا جی چاہے کرو۔"

مسرور نے فضل کی باتیں سُن کر رومال لانے کا حکم دیا۔ جب وہ رومال لایا گیا اور اُسے کھولا گیا تو اُس کے اندر سے کوڑے نکلے۔ اُس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے غلاموں کو حکم دیا کہ پوری شدت سے یہ کوڑے فضل کے جسم پر برساؤ۔ چنانچہ غلاموں نے بے دردی سے فضل کو کوڑے مارنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ وہ درد کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

جب مسرور چلا گیا تو میں (خلیل بن ہیثم نگرانِ قید خانہ) نے ایک شخص سے جس کا نام ابو یحییٰ تھا کہا کہ ایک آدمی جو پہلے قید خانے میں ہوتا تھا وہ کوڑے کے زخموں کے علاج کا بڑا ماہر ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ آیا وہ فضل کا علاج کر دے گا؟ چنانچہ ابو یحییٰ اُس شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ فضل بن یحییٰ کا علاج کر دے گا۔ اُسے کوڑوں کی سزا دی گئی ہے۔

اُس نے بڑی خوشی سے اپنی رضامندی ظاہر کر دی چنانچہ ابو یحییٰ اسے لے کر

قید خانے میں آیا۔ اُس نے بڑی توجہ سے فضل کا علاج کیا جس سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔

ٹھیک ہونے کے بعد فضل نے ابو یحییٰ سے کہا: "مجھے دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ تم 'سنانی' کے پاس جاؤ اور میرا نام لے کر اُس سے اتنی رقم قرض لے آؤ۔"

چنانچہ ابو یحییٰ فضل کا رقعہ لے کر سنانی کے پاس آیا۔ اُس نے فوراً دس ہزار درہم گن دیئے۔ وہ یہ رقم لے کر فضل کے پاس پہنچا۔ فضل نے اس سے کہا:

"اے ابو یحییٰ! تم یہ رقم لے کر اس آدمی کے پاس جاؤ جس نے میرا علاج کیا تھا۔ اس سے معذرت کرنا اور درخواست کرنا کہ وہ یہ حقیر رقم میری طرف سے قبول کر لے۔"

ابو یحییٰ اس شخص کے پاس گیا۔ وہ بڑا مفلس اور قلاش تھا۔ چٹائی پر سوتا تھا۔ اس کے گھر کا سامان بھی بہت معمولی تھا۔ ابو یحییٰ کو دیکھ کر اس نے کہا:

"ابو یحییٰ! اب کے میرے پاس کیوں آئے؟"

ابو یحییٰ نے فضل کی طرف سے معذرت کرتے ہوئے دس ہزار درہم کی رقم اس کی خدمت میں پیش کی اور کہا: "چونکہ قید میں ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی تنگ دست ہے۔ اس لئے اس نے یہ حقیر رقم آپ کی خدمت میں بھیجی ہے۔"

جراح نے حیرت سے ابو یحییٰ کی طرف دیکھا اور کہا: "دس ہزار درہم!"

ابو یحییٰ: "ہاں یہ درہم اپنے علاج کے معاوضے میں فضل نے تمھیں بھجوائے ہیں۔"

جراح: "مگر میں تو ان میں سے ایک درہم بھی لینے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے

معاوضے کے لالچ میں فضل کا علاج نہیں کیا۔"

ابو یحییٰ نے بہت کوشش کی کہ وہ یہ رقم لے لے لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر ابو یحییٰ نے فضل کے پاس جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ فضل نے کہا "شاید اس نے یہ رقم اس وجہ سے نہیں لی کہ وہ اسے اپنے علاج کا صحیح معاوضہ نہیں سمجھتا ہوگا۔ تم سنانی کے پاس دوبارہ جاؤ اور اس سے دس ہزار درہم کی اور درخواست کرو۔ اگر وہ دے دے تو بیس ہزار درہم کی رقم جراح کے پاس لے جاؤ امید ہے وہ اسے قبول کر لے گا۔"

"ابو یحییٰ پھر سنانی کے پاس گیا اور مزید دس ہزار درہم لے کر جراح کے پاس پہنچا۔ لیکن اس نے ایک حبہ بھی لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "اگر ان بیس ہزار درہم کی جگہ بیس ہزار دینار بھی ہوتے تب بھی میں انھیں قبول نہ کرتا۔"

مجبور ہو کر ابو یحییٰ فضل کے پاس پہنچا اور جو بیتا تھا کہہ سنایا۔ فضل نے اس سے پوچھا :

"تمھارے نزدیک ہمارے زمانۂ اقتدار میں ہمارا سب سے شاندار کارنامہ کونسا ہے ؟"

ابو یحییٰ نے کوئی واقعہ اسے سنایا۔ اس پر فضل نے کہا :

"اسے چھوڑو۔ خدا کی قسم! اس جراح نے جو کارنامہ کیا ہے وہ ہمارے زمانۂ اقتدار کے سب بڑے بڑے کارناموں سے بڑھ کر ہے۔"

سہل بن ہارون جو برامکہ کا خاص آدمی تھا بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید رقہ میں مقیم تھا۔ میں یحییٰ برمکی کے ہم رکاب تھا۔ یکایک یحییٰ کو نیند آگئی۔ تھوڑی دیر میں وہ

گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور کہا :

"سہل ! یہ کیا ہوا ؟ خدا کی قسم ! میری حکومت اور عزت جاتی رہی اور میرے اقبال کا زمانہ ختم ہوا ۔"

میں نے پوچھا :

"آپ کیا فرماتے ہیں ؟"

اس نے کہا :

میں نے ابھی خواب دیکھا کہ کوئی شخص مجھے یہ شعر سُنا رہا ہے ؎

کان لم یکن بین الحجون الی الصفا

انیس ولم یسمر بمکة سامر

(میں اب اس درجے کو پہنچ گیا ہوں گویا کبھی حجون سے لے کر صفا تک میرا کوئی دوست ہی نہیں تھا اور گویا مکہ میں کبھی کسی قصہ گو نے مجھ سے کوئی قصہ کہا ہی نہیں (یعنی میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہوں)

میں (یحییٰ) نے اس شعر سنانے والے کو فی البدیہہ یہ جواب دیا :

بلیٰ نحن کنا اھلھا فابادنا

صروف اللیالی والجدود العواثر

(ہاں بے شک ہم وہاں کے رہنے والے تھے، لیکن ہمیں انقلاباتِ زمانہ اور تقدیر نے تباہ و برباد کر دیا)

سہل بن ہارون بیان کرتا ہے "میں چپ ہو رہا لیکن برابر منتظر رہا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے ۔ اس واقعے کے تیسرے روز میں یحییٰ کے پاس

بیٹھا ہوا لوگوں کی عرضیوں پر حکم لکھ رہا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور یحییٰ پر گر پڑا
یحییٰ نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا "کم بخت تجھے کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے کہا:

"امیر المومنین نے جعفر کو قتل کرا دیا ہے۔"

یحییٰ نے پوچھا "کیا واقعی؟"

اُس نے جواب دیا "ہاں۔"

یہ سن کر یحییٰ نے اپنے ہاتھ سے قلم پھینک دیا اور کہا:

"قیامت بھی اسی طرح یکایک آئے گی۔"

جعفر کے قتل کے بعد، جہاں ہارون الرشید نے تمام برامکہ کو قید کرنے اور
ان کا مال و اسباب اور جاگیریں ضبط کرنے کا حکم دیا تھا وہاں یہ حکم بھی دیا تھا کہ جعفر کی
نعش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا بغداد کے پُلوں پر لٹکا دیا جائے اور
سر علیحدہ "جسر اوسط" (درمیانی پُل) پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔
عرصہ دراز تک سر اور نعش کے ٹکڑے بغداد کے پُلوں پر لٹکتے رہے اور گزرنے
والوں کے لئے عبرت کا سامان بہم پہنچاتے رہے۔

صفر ۱۸۹ھ (جنوری ۸۰۵ء) میں ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ والیٔ
خراسان کی سرکوبی کے لئے رے کا سفر کیا۔ ذی الحجہ کے مہینے میں وہ بغداد واپس
آیا۔ جعفر کا سر اس وقت تک بغداد کے پُل پر لٹکا ہوا تھا۔ سہل بن ہارون کا بیان ہے
کہ جب ہم بغداد کے قریب پہنچے تو جعفر کا سر پُل پر دکھائی دیا۔ اس وقت سورج کی
سیدھی کرنیں جعفر کے مُنہ پر پڑ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا سورج جعفر کی

پلکوں ہی سے نکل رہا ہے۔ اس وقت میں ہارون الرشید کے دائیں جانب تھا اور عبدالملک بن فضل دربان بائیں طرف۔ جب ہارون نے جعفر کا سر دیکھا تو اس کے قریب گیا۔ بکھرے ہوئے بالوں کو جمع کر کے چہرے کو گرد و غبار سے صاف کیا اور آنکھوں کو جو کھلی ہوئی تھیں بند کر دیا۔ عبدالملک بن فضل نے خلیفہ کے حضور عرض کیا کہ افسوس جعفر کا گناہ اتنا عظیم الشان تھا کہ اس کو امیرالمومنین کا عفو بھی معاف نہ کر سکا۔

ہارون نے جواب دیا "جو شخص حد سے بڑھ جاتا ہے اس کی سزا یہی ہے" پھر حکم دیا کہ جعفر کا سر اور نعش کے بقیہ ٹکڑے جلا دئیے جائیں۔ جس وقت جعفر کا سر جلایا جا رہا تھا تو ہارون یہ کہتا جاتا تھا:

"خدا کی قسم! اگرچہ تیرا اثر زائل ہو گیا ہے لیکن تیرے حالات باقی رہیں گے۔ اگرچہ تیرا رتبہ گھٹ گیا ہے لیکن تیرا ذکر بلند رہے گا۔"

جب یحییٰ اور دیگر آل برامکہ کو قید ہوئے سالوں گزر گئے اور ہارون کو ان پر رحم نہ آیا تو یحییٰ کی بیوی اور جعفر کی والدہ فاطمہ نے یحییٰ کی رہائی کی کوشش کرنی چاہی۔ ہارون الرشید نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا اور اسی کی گود میں پلا تھا۔ وہ اپنی رضاعی ماں کی بہت عزت کرتا تھا۔ اکثر معاملات میں اس سے مشورہ لیتا تھا اور اس کے مشورہ کو بہت وقعت دیتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ فاطمہ کو محل میں آنے کی کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اور وہ جب چاہیں میرے پاس آ سکتی ہیں اور جس کی چاہیں سفارش کر سکتی ہیں جو فوراً قبول کی جائے گی۔

ہارون نے برامکہ کے مردوں کو "حبس زنادقہ" میں اور عورتوں کو "دارالبانوقہ"

میں (بانوقہ ہارون کی بہن کا نام تھا) قید کر رکھا تھا۔ فاطمہ بھی دارالبانوقہ میں تھی۔ اُس نے وہاں سے ہارون کے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ لیکن اجازت ملنے میں دیر ہو گئی۔ اس پر وہ ننگے پاؤں، ننگے سر، ننگے مُنہ نکل کھڑی ہوئی اور شاہی محل تک آپہنچی۔ عبدالملک بن فضل دربان ہارون کے پاس آیا اور کہنے لگا "حضور! امیرالمومنین کی دایہ اس حالت میں دروازے پر حاضر ہوئی ہے کہ اگر اسے دشمن بھی دیکھ لیں تو ان کے جگر شق ہو جائیں۔" ہارون نے گھبرا کر فوراً اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ محل میں داخل ہوئی۔ جب ہارون نے دیکھا کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر چلی آرہی ہے تو وہ ننگے پاؤں اُٹھا اور چند قدم آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔ اس نے ہارون الرشید سے کہا:

"امیرالمومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کیے جائے گا اور آپ کی ناراضی کے باعث لوگ ہم کو یونہی ستائے جائیں گے اور ہم پر ایسی ہی جھوٹی تہمتیں لگائی جائیں گی؟ میں نے تو اس واسطے آپ کو دودھ پلایا تھا اور آپ کی خدمت کی تھی کہ زمانے اور دشمنوں کے ہاتھوں سے امان ملے گی۔"

ہارون نے پوچھا:

"اے ام رشید! (وہ اسے ام جعفر کی جگہ ام رشید ہی کہتا تھا) کیا ہوا؟"

اُس نے جواب دیا۔

"مہدی کے بعد یحییٰ کا درجہ ہے۔ وہ آپ کے لئے آپ کے والد کی جگہ ہے۔ جس رتبہ کا وہ شخص ہے اس سے آپ خوب واقف ہیں۔ آپ اچھی طرح

جانتے ہیں کہ اُس نے آپ کے ساتھ کیسی کیسی مہربانیاں کی ہیں اور خصوصاً ہادی کے مقابلے میں اُس نے جو کوشش کی وہ تو ہر شخص کو معلوم ہے۔"

ہارون الرشید نے کہا:

"اے ام رشید! یہ سب ٹھیک ہے، لیکن جو حکم الٰہی تھا جاری ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک غضب تھا۔"

فاطمہ نے جواب دیا:

"امیرالمومنین! خدا تعالیٰ میں تو بہت قدرت ہے جس کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے۔ باقی رکھتا ہے۔ جس کا قصور چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔"

ہارون الرشید نے کہا:

"یہ تو سچ ہے کہ خدا تعالیٰ جس کا چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا ہے۔ لیکن یہ قصور ایسا نہیں ہے جس کو خدا معاف کر دے۔"

فاطمہ نے جواب دیا:

"غیب کی خبر تو نبیوں کو بھی نہیں تھی۔ امیرالمومنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ یہ قصور معاف نہیں کرے گا۔"

ہارون الرشید نے یہ فقرہ سُن کر اپنا سر جھکا لیا۔ پھر یہ شعر پڑھا:

و اذا المنیۃ انشبت اظفارھا

الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

(جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے تو پھر کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا)

لیکن فاطمہ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا :

"امیرالمومنین! میں یحییٰ کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعویٰ ہے، البتہ آپ اسی شاعر کا یہ شعر بھی پڑھئے :

واذا افتقرت الی الذخائر لم تجد
ذخرا یکون کصالح الاعمال

(جب تجھے سرمائے کی ضرورت پیش آئے تو کوئی سرمایہ نیک اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا)

خدا تعالیٰ نے بھی مومنوں کی تعریف میں فرمایا ہے کہ "وہ اپنے غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں۔"

ہارون نے یہ سُن کر دوبارہ اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے جھکا لیا۔ پھر یہ شعر پڑھا :

اذا انصرفت نفسی عن الشئ لم تکن
الیہ بوجہ آخر الدھر تقبل

(جب میرا نفس کسی سے مُنہ موڑ لیتا ہے تو آخر دم تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا)

فاطمہ نے فوراً جواب دیا :

ستقطع فی الدنیا اذا ما قطعتنی
یمینک فانظر ای کف تبدل

(اگر تو مجھ سے قطع تعلق کرلے گا تو ایسا کرنا اپنے ہاتھ کو کاٹ کر پھینک

دینے کے مترادف ہوگا۔ مجھے بتا تو سہی۔ اگر تو نے اپنا داہنا ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا تو اس کے بدلے کونسا ہاتھ لے گا؟)

رشید نے کہا "میں اس بات پر راضی ہوں۔"

دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن ہارون کا دل نہ پسیجا اور وہ یحییٰ کو چھوڑنے پر کسی طرح بھی رضامند نہ ہوا۔ آخر مجبور ہو کر فاطمہ نے سبز زمرد کا ایک ڈبہ پیش کیا، جس میں سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ ہارون نے اسے کھولا تو اس میں سے اُس کے بال اور بچپن کے ٹوٹے ہوئے دانت نکلے جو مشک میں ڈوبے ہوئے تھے۔

فاطمہ نے کہا:

"امیر المومنین! میں ان چیزوں کو اپنا شفیع بناتی ہوں اور عاجزانہ التجا کرتی ہوں کہ یحییٰ کو چھوڑ دیجئے۔"

ہارون نے جب ان چیزوں کو دیکھا تو اس کا دل بھر آیا اور وہ رونے لگا اس کے ساتھ سارے درباری بھی رونے لگے۔ جب رونا دھونا کم ہوا تو ہارون نے تمام چیزوں کو اسی ڈبیا میں بند کر دیا اور کہا:

"آپ نے امانت کا حق خوب ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پورا کیا کہ امانتیں ان کے حق داروں کو لوٹا دو۔"

فاطمہ نے جواب دیا:

"اللہ تعالیٰ یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی فیصلہ کریں وہ عدل و انصاف کے ساتھ کریں اور یہ بھی تو حکم دیتا ہے کہ ہم جو بھی عہد کریں اسے

پُورا کریں "

ہارون نے کہا :

" میں چاہتا ہوں کہ ڈبیا کو آپ سے خرید لوں، بتلائیے اس کی کیا قیمت آپ کو پیش کروں۔"

فاطمہ نے جواب دیا :

اس کی قیمت یہ ہے کہ ان لوگوں کو رہا کر دیجئے جن پر ناراض ہو کر آپ نے انھیں قید کر رکھا ہے۔"

ہارون نے کہا :

" یہ تو نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس کے علاوہ اور جو آپ کہیں گی۔ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

فاطمہ نے کہا :

" اس صورت میں یہ ڈبیا میں آپ کو بطور تحفہ پیش کرتی ہوں۔ یہ آپ ہی کو مُبارک رہے۔"

چُنانچہ ڈبیا ہارون کے ہاتھ میں چھوڑ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون مبہوت رہ گیا اور ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکال سکا۔ اس کے بعد فاطمہ کبھی ہارون کے پاس نہیں آئی۔

محمد بن عبدالرحمان ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ " برامکہ کے زوال کے بعد، میں ایک دفعہ عید کے روز اپنی والدہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان سے ایک بوڑھی خاتون بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ میری والدہ نے مجھ سے کہا " اپنی خالہ کو سلام کرو۔" میں

نے پوچھا "یہ کون ہیں؟" اُنھوں نے کہا "تم نہیں جانتے؟ یہ جعفر بن یحییٰ کی والدہ ہیں۔" میں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ مجھے شدید رنج ہوا۔ میں نے اُنھیں سلام کیا اور کہا:

"اس وقت مجھے آپ کو دیکھ کر انتہائی رنج اور افسوس ہوا۔"

اُنھوں نے کہا:

"بیٹے! دُنیا اسی کو کہتے ہیں۔ کبھی وہ بھی زمانہ تھا کہ عید کے دن میرے سرہانے چار سو کنیزیں ہوتی تھیں اور ایک یہ عید ہے کہ میرے پاس صرف دو پوستینیں ہیں ایک کو بچھا لیتی ہوں اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔"

میں نے ان کی خدمت میں پانچ سو درہم پیش کیے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ اپنی وفات تک ہمارے یہاں آتی رہیں۔

برامکہ کے ساتھ عموماً اور جعفر کے ساتھ خصوصاً جو کچھ ہوا اس کی وجوہات محض سیاسی تھیں۔ جب خلیفہ نے دیکھا کہ ان کی قوت و شوکت بڑھتی جا رہی ہے اور ان کا نفوذ و اقتدار نہایت تیزی سے مملکت کے ہر شعبے میں پھیلتا جا رہا ہے تو اسے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کا نتیجہ اس کی خلافت سے علیحدگی یا برامکہ کی جانب سے بغاوت کی صورت میں نہ نکلے۔ پس ہارون کا دل اس خطرے کے پیدا ہوتے ہی برامکہ کے خلاف غیض و غضب سے بھر گیا اور اُس نے اُن کو مٹا کر ہی دم لیا۔

بعض مؤرخین نے جعفر کے قتل کا سبب جعفر اور ہارون کی بہن عباسہ کی شادی

کو قرار دیا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں قطعاً کوئی حقیقت نہیں۔ یہ قصہ اختراع کرنے والے اس بات کو قطعاً بھول جاتے ہیں کہ ہارون کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں جو خصوصیات ملی تھیں۔ وہ ان پر کس شدت سے کاربند تھا۔ ہر کوئی جانتا ہے۔ کہ ابومسلم کا دولت عباسیہ کے قیام اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن منصور نے اس کو اس کے جن گناہوں کی پاداش میں قتل کرایا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے لئے منصور کو اپنی بنت علی بن عبداللہ بن عباس کی شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ بنو عباس اپنی لڑکیوں کی شادیاں عجمیوں سے کرنا سخت عار سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنے ضعف کے زمانے میں بھی، جب کہ آلِ سلجوق نے ان پر کامل تسلط جما لیا تھا اور خلفاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہی تھی، وہ اپنے اس دستور کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ ان واقعات کی موجودگی میں ہارون جیسے انسان کے متعلق یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ اپنی بہن عباسہ کی شادی جعفر سے کر دیتا، جو اگرچہ اس کا وزیر تھا لیکن تھا بہرحال عجمی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہارون کی طبیعت ملکی معاملات میں وہم بلکہ وسواس کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ ہر چغل خور اور حاسد کی بات نہ صرف سن لیتا تھا بلکہ اس پر یقین بھی کر لیتا تھا۔ اس طرح اس نے اس عظیم الشان خاندان کو جو اپنے جود و کرم، داد و دہش، ملکی امور کے انتظام اور سلطنت کے ہر حصے کی دشمنوں سے حفاظت کرنے کی وجہ سے عہدِ ہارونی بلکہ دولتِ عباسیہ کی زینت اور نور تھا۔ محض حاسدوں کی باتوں میں آن کر تباہ و برباد کر دیا۔

مطلق العنان بادشاہوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ارکانِ سلطنت

کو کبھی بھی امن وچین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم کب بادشاہ کی طرف سے ہماری معزولی اور گرفتاری کا حکم آجائے۔ جب بھی بادشاہ کے پاس ان کے خلاف کوئی شکایت کی جاتی ہے۔ وہ فوراً اس پر یقین کر لیتا ہے اور اُس کے نتیجے میں اپنے ان مخلص خادموں کو شدید ترین سزائیں دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اسے اس وقت قطعاً اس بات کا خیال نہیں آتا کہ ان کی سابقہ خدمات کتنی شاندار ہیں اور اُنھوں نے مُلک کے انتظام اور سرحدوں کی خاطر کتنی شاندار قربانیاں سرانجام دی ہیں۔

یہاں بھی یہی ہوا فضل بن ربیع ان کی تباہی کے درپے تھا۔ وہ بڑا مفسد، بد طینت اور فتنہ پرواز شخص تھا۔ ہارون رشید کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون میں جو نفرت اور دُشمنی پیدا ہوئی اور ملک کو جن سخت خون ریز جنگوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا واحد سبب بھی یہی شخص تھا۔ اگرچہ برامکہ کے بعد فضل کو وزارت مل گئی، لیکن وہ اس خلا کو کسی طرح بھی پُر نہ کر سکا جو برامکہ کی تباہی کے بعد پیدا ہو گیا تھا اور نہ ہی اس میں ان کاموں کے کرنے کی اہلیت تھی جو برامکہ نے سرانجام دیئے تھے۔

بے شک ہارون الرشید برامکہ کو تباہ و برباد کرنے اور ان کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہو گیا، لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور ان کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برامکہ قید خانوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ جعفر کا سر مدت دراز تک بغداد کے ایک پل پر لٹکا رہا۔ لیکن برامکہ کے نام اب بھی تاریخ کے صفحات، شعروں کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

گو وہ کسی حد تک۔ اپنی قوت وشوکت اور خود مختاری کے اظہار میں مقررہ حدود سے آگے نکل گئے تھے اور بعض باتیں ان سے ایسی سرزد ہوئی تھیں جن کا ملکی سیاست تقاضا نہیں کرتی تھی۔ لیکن ان واقعات کے باوجود ان کی خدمات ایسی نہیں ہیں جو بھلائی جا سکیں، ان کے کارنامے جو سلطنت کے استحکام کا باعث ہوئے، ایسے نہیں ہیں کہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کی جا سکیں اور اپنے زمانے میں علوم وفنون کی ترویج میں جو گراں قدر کوششیں کیں، وہ اس قابل نہیں ہیں کہ انھیں فراموش کیا جا سکے۔

ہارون الرشید کا رقہ میں قیام

ہارون نے برامکہ کو تباہ کرنے کے بعد فضل بن ربیع کو وزارت سونپ دی تھی اور خود بغداد چھوڑ کر رقہ میں مقیم ہو گیا تھا۔ مؤرخین اس انقلاب کا حقیقی سبب معلوم کرنے میں ناکام رہے ہیں، جس نے اسے دارالخلافہ چھوڑ کر ایک دُور دراز شہر میں مقیم ہونے پر مجبور کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ ہارون یہ چاہتا تھا کہ اپنی سلطنت کی سرحدوں کے قریب رہے۔ ہو سکتا ہے یہ سبب بھی ہو، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس نقل مکانی کے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہارون یہ چاہتا ہو کہ وہ بغداد اور برامکہ کے محلات سے دُور رہے اور اس طرح اس پریشانی اور اضطراب سے نجات پا سکے جو بغداد میں رہتے ہوئے ہر وقت برامکہ کا خیال آتے رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں موجزن رہتا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے، کہ برامکہ کے استیصال کے بعد ہارون کو ایک دن بھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ وہ ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا تھا۔ کیونکہ اس کی سلطنت کا سارا نظام برامکہ کی وجہ سے قائم تھا۔ وہ انتہائی اخلاص کے ساتھ سلطنت کے ہر شعبے کی نگرانی کرتے رہتے تھے اور کوئی خرابی پیدا ہوتے ہی اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ یہ برامکہ ہی تھے جنھوں نے ہارون کو خلافت دلائی تھی اور اس کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دُور کیا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو ہارون کی حیثیت ملک کے دُوسرے

عباسی امراء سے کسی طرح بہتر نہ ہوتی اور خلافت اس کے بھائی ہادی کے بیٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی۔ ہارون بہت ہی رقیق القلب اور حیا دار انسان تھا۔ اس نے برامکہ کو تباہ تو کر دیا لیکن وہ اُنھیں بھول کس طرح سکتا تھا؟ اور ایسے شہر میں کس طرح رہ سکتا تھا۔ جہاں ہر وقت برامکہ کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی اور اُن کی صورتیں اُس کی آنکھوں کے آگے گردش کرتی رہتیں۔

برامکہ کی تباہی کے بعد اُس نے شعرا کو حکم دے دیا تھا کہ کوئی ان کا مرثیہ لکھنے نہ پائے ورنہ اسے سخت سزا دی جائے گی۔ ایک دن ہارون کے بعض سپاہی برامکہ کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے۔ اُنھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ان کھنڈرات میں کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے اور وہ بڑے سوز و گداز سے برامکہ کا مرثیہ پڑھ رہا ہے اور زار و قطار رو رہا ہے۔ سپاہیوں نے اسے پکڑ کر ہارون کے سامنے پیش کر کے سارا واقعہ عرض کر دیا۔ ہارون نے پوچھا کہ جب میں نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص برامکہ کا مرثیہ کہے، نہ پڑھے تو تمھیں میری حکم عدولی کی جرأت کس طرح ہوئی؟

اس شخص نے جواب دیا:

"امیر المومنین! آپ مجھے اپنا ایک قصہ بیان کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ جو چاہیں مجھے سزا دیں۔"

ہارون نے کہا:

"اچھا کہو۔"

اس نے قصہ سنانا شروع کیا:

"میں یحییٰ بن خالد برمکی کا ایک معمولی محرّر تھا، اور بہت تنگ دستی سے گزارہ کرتا تھا۔ ایک دن یحییٰ نے مجھ سے کہا: "میں چاہتا ہوں کہ کسی روز تم اپنے گھر میں میری دعوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! میں اس لائق کہاں؟ اور میرا گھر اس قابل کہاں؟ جو کچھ میری حالت ہے وہ حضور پر عیاں ہے۔" یحییٰ نے کہا: "نہیں تم میری دعوت ضرور کرو۔" میں نے جواب دیا: "اگر حضور کا یہی منشا ہے تو پھر مجھے کچھ عرصے کی مہلت دیجئے تاکہ میں اپنی اور اپنے گھر کی حالت کچھ درست کر سکوں۔" یحییٰ نے پوچھا: "کتنے عرصے کی مہلت چاہتے ہو؟" میں نے عرض کیا: "حضور ایک سال کی۔" اُس نے کہا: "یہ تو بہت زیادہ ہے۔" میں نے عرض کیا: "تو پھر چند ماہ کی مہلت دے دیں۔" یحییٰ نے مہلت دے دی۔ میں گھر گیا۔ گھر کی حالت درست کی۔ دعوت کا سامان تیار کیا۔ جب سب سامان تیار ہو گیا تو میں نے یحییٰ کو اطلاع کر دی۔ اُس نے کہا: "اچھا ہم کل تمہارے ہاں کھانا کھائیں گے۔"

اپنے وعدے کے مطابق اگلے روز یحییٰ اپنے بیٹوں جعفر اور فضل اور چند خادموں کے ہمراہ میرے مکان پر پہنچ گیا۔ پہلے وہ اپنے گھوڑے پر سے اُترا۔ اس کے بعد جعفر اور فضل اُترے۔ یحییٰ نے مجھ سے کہا:

"ہمیں بہت بھوک لگی ہے اس لئے کھانا دسترخوان پر جلدی چُنوا دو۔"

چُنانچہ تمام سامان دسترخوان پر چُنا گیا اور تمام حاضرین نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد سب مکان میں ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد یحییٰ نے کہا: "ہمیں اس مکان کے دوسرے حصے میں لے چلو۔" میں نے عرض کیا: "حضور! میرا گھر

جو کچھ ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے علاوہ میرے گھر کا اور کوئی حصہ نہیں۔"
یحییٰ نے کہا "یہ غلط ہے اس مکان کے متصل جو زمین ہے۔ وہ بھی تمہاری ہی ہے۔" میں نے عرض کیا "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں صرف اپنے اس گھر کا مالک ہوں۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں۔" یحییٰ نے یہ سُن کر حکم دیا کہ معمار کو بلایا جائے۔ چنانچہ فوراً ایک معمار حاضر کر دیا گیا۔ یحییٰ نے اسے کہا کہ اس گھر کی دیوار میں ایک دروازہ کھولو۔ میں نے پھر جرأت کر کے عرض کیا۔ "حضور! میں اپنے پڑوسیوں کے گھروں میں اپنا دروازہ کس طرح کھول سکتا ہوں؟ خدا تعالیٰ نے بھی پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔" یحییٰ نے کہا "کوئی حرج نہیں۔" اور دوبارہ معمار کو دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

معمار نے حکم کی تعمیل میں دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد وزیر اور اس کے بیٹے اُٹھے اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ہم سب ایک خوبصورت باغ میں جا نکلے۔ جہاں بے شمار پھول تھے، فوارے چل رہے تھے۔ بلند و بالا محلات بنے ہوئے تھے، جن میں ہر قسم کا آرائش کا سامان موجود تھا۔ یحییٰ نے مجھ سے کہا "یہ مکان اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب تمہارا ہے۔"

میں یہ سُن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا۔ کہ جس روز میری یحییٰ سے دعوت کے متعلق بات چیت ہوئی۔ اسی روز یحییٰ نے یہ زمین خرید کر اس میں باغات لگوانے اور محل بنوانے شروع کر دئے تھے، اور آرام و آسائش کی ہر چیز ان میں مہیا کر دی تھی۔ میں اس سے بالکل بے خبر تھا اور خیال کرتا تھا کہ کسی اور شخص نے یہ زمین خرید کر اس میں عمارت اور باغات

بنوائے ہیں۔

یحییٰ نے اپنے بیٹے جعفر سے کہا :

" یہ محل اور یہ باغات تو اس کے ہیں، لیکن ان کے رکھ رکھاؤ کے لئے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

جعفر نے جواب دیا :

" میں اسے فلاں جاگیر لکھے دیتا ہوں اس کی آمدنی اسے کافی ہوگی۔"

یہ سُن کر یحییٰ اپنے دوسرے بیٹے فضل کی جانب متوجہ ہُوا، اور کہنے لگا :

" جب تک اس جاگیر کی آمدنی اسے وصول نہ ہو۔ اس وقت تک یہ کہاں سے خرچ کرے گا ؟"

فضل نے جواب دیا :

" گھر میں میرے پاس دس ہزار دینار ہیں وہ میں ابھی بھجوا دیتا ہوں۔"

یحییٰ نے کہا :

" بہت اچھا، تم دونوں نے جو وعدے کئے ہیں، اُنھیں فوراً پُورا کرو۔"

چنانچہ جعفر نے موعودہ جاگیر میرے نام لکھ دی۔ فضل نے گھر جا کر فوراً مقررّہ رقم میرے پاس بھجوا دی۔ میں مال دار ہو گیا اور میری حالت سدھر گئی۔ اس کے بعد میں نے خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت مال و دولت کمائی اور اب تک اشرفیوں میں کھیلتا ہوں۔ اسی لئے اے امیرالمومنین ! جب بھی مجھے موقعہ ملتا ہے میں ان کے اس عظیم الشان احسان کے بدلے میں چند الفاظ ان کی تعریف میں

کہہ دیتا ہوں اور ان کی بخشش کے لئے خدا تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہوں۔ اگر میرا یہ جُرم آپ کی نظر میں قابلِ گرفت ہے اور میں اس وجہ سے قتل کے لائق ٹھہرتا ہوں تو میری یہ گردن حاضر ہے۔"

ہارون الرشید پر اس داستان کے سُننے سے اتنا اثر ہُوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اس آدمی کو چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اس کے بعد لوگوں کو برامکہ کے مرثیے پڑھنے کی اجازت دے دی۔

دولتِ عباسیہ اور بیزنطینی سلطنت

سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کے ساتھ، خارجی سیاست بھی اپنا رنگ بدل رہی تھی۔ رومی ہمسایہ مملکت، ہارون کے لئے زبردست خطرہ تھی۔ رومیوں کے حملوں کے خطرے کے پیشِ نظر ہارون نے سرحدی علاقوں کو جزیرہ اور قنسرین سے الگ کر کے ایک علیحٰدہ صوبہ بنا دیا تھا۔ جس کا نام عواصم رکھا تھا اور اس کا دارالحکومت منبج قرار دیا تھا۔ ۱۷۳ھ - ۷۸۹ء میں ہارون نے عبدالملک بن صالح کو سرحدی افواج کا سپہ سالار بنا کر عواصم بھیجا، زنہ لوک - رعبان - قورس، انطاکیہ اور تیزین میں چھاؤنیاں بنوائیں تاکہ اسلامی فوجیں رومیوں سے جنگ کر کے آئیں، تو ان مقامات پر قیام کریں۔ ان چھاؤنیوں کے مابین کئی مضبوط قلعے بھی بنوائے۔

اس زمانے میں رومیوں کی فرمانروا ایک عورت ملکہ ایرینی تھی جو ۱۶۴ھ ۷۸۰ء میں اپنے بیٹے قسطنطین کی جگہ تخت پر بیٹھی تھی۔ کیونکہ قسطنطین ابھی نابالغ تھا اور تخت سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ ۱۷۴ھ - ۷۹۰ء میں قسطنطین نے زبردستی اپنی والدہ کو تخت سے اتار دیا اور خود بادشاہ بن گیا۔ تخت پر بیٹھ کر اس نے فوجیں اکٹھی کیں اور اسلامی سرحدوں پر حملے شروع کر دئے۔ پہلے تو اس علاقے میں مقیم فوجیں رومیوں کے حملوں کو پسپا کرتی رہیں۔ لیکن جب حملوں کا زور ختم نہ ہوا تو ہارون نے خود سرحد پر جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۱ھ - ۷۶۷ء میں وہ طائفہ فوج کو لے کر

رومیوں پر حملہ آور ہوا اور قلعہ صفصاف کو فتح کر لیا۔ عبدالملک بن صالح رومیوں کے تعاقب میں انگورہ تک پہنچ گیا۔

اسی سال قسطنطین کو اس کی والدہ ملکہ ایرینی نے تخت سے اتار دیا اور دوبارہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ایرینی نے دیکھا کہ :-

اس کی سلطنت اس وقت دو زبردست مخالف طاقتوں سے گھری ہوئی ہے۔ ایک جانب ہارون الرشید کی عباسی سلطنت تھی، دوسری جانب فرانس کے بادشاہ شارلمین کی سلطنت۔ ادھر سے ہارون چاہتا تھا کہ رومی سلطنت کو زبردست زک پہنچائے، دوسری طرف شارلمین کی خواہش تھی کہ وہ مغربی اور مشرقی رومی ممالک کو ملا کر پھر ایک بڑی سلطنت قائم کرے جسے دیکھ کر پرانی عظیم الشان رومی سلطنت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔

ملکہ مذکورہ نے یہ دیکھ کر، کہ وہ شارلمین اور ہارون الرشید دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی، خوشامد کر کے ہارون کو صلح پر راضی کر لیا اور سالانہ جزیے کے طور پر ایک رقم دینی منظور کر لی۔

۱۸۷ھ - ۸۰۲ء میں ملکہ کے خلاف، بغاوت ہوئی اور ارکینِ سلطنت نے ایرینی کو تخت سے اتار کر نقفور (نائسفورس) کو اس کی جگہ بادشاہ بنا دیا۔ اس نے پہلے تو شارلمین سے صلح کر کے اپنی سلطنت کی حدود قائم کرالیں۔ پھر ہارون کو یہ خط لکھا :

"ملکہ ایرینی نے تجھ کو 'رخ' کا مرتبہ دے دیا تھا اور خود 'پیادہ' بن گئی تھی۔ وہ تجھے اپنی دولت بھیجتی رہتی تھی۔ حالانکہ تجھے اپنی دولت اسے بھیجنی چاہئے تھی لیکن

ایک عورت کی کمزوری اور حماقت سے تُو نے فائدہ اُٹھایا۔ اب تیری اسی میں خیریت ہے کہ جو دولت تو نے اس سے وصول کی ہے، وہ واپس کر دے اور ساتھ ہی جزیہ بھی ادا کر، ورنہ تلوار میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

جب یہ خط ہارون کے پاس پہنچا تو وہ اسے پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ امراء و وزراء میں سے کسی کو گفتگو کرنا تو در کنار، اس کی طرف نگاہ اُٹھانے کی بھی جرأت نہ تھی۔ کچھ دیر کے بعد خلیفہ نے قلم اور دوات منگائی اور اپنے ہاتھ سے نقفور کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے
رُومی کتے نقفور کے نام

میں نے تیرا خط پڑھا۔ اس کا جواب تو کانوں سے سُننے کے بجائے آنکھوں سے دیکھے گا۔"

اس کے بعد اسی روز فوج لے کر ملک روم کی طرف کُوچ کر دیا اور رومی حدود میں رومیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ کشت و خون سے عاجز آ کر رومی مغلوب ہو گئے۔ نقفور نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور کی گئی کہ وہ ہر سال اس سے دگنا خراج ادا کیا کرے گا، جتنا ملکہ ایرینی کرتی تھی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ نقفور نے یہ شرط قبول کر لی اور ہارون نے فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہارون الرشید کے لئے سنہری موقعہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ

پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیتا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ غالباً اُس نے فتوحات کے بجائے قصاص لینا ہی کافی سمجھا ہوگا اور اسی لئے صلح کے بعد وہ واپس چلا آیا۔ اگر وہ قسطنطنیہ کی تسخیر کا ارادہ کرتا تو کوئی طاقت اسے اس شہر کو فتح کرنے سے روک نہ سکتی۔

ہارون نے صلح پر عمل درآمد کرنے کا کام اپنے تیسرے بیٹے قاسم کے سپرد کر دیا تھا اور خود اپنی سلطنت کی حدود میں آ کر مع لشکر کے "مرج دابق" میں مقیم ہو گیا تھا، جو حلب کے علاقے میں واقع ہے۔ قاسم نے رومیوں سے جزیہ وصول کیا، اپنے قیدی واپس لئے اور ہارون کے پاس پہنچ گیا۔

ہارون نے پھر کوچ شروع کر دیا۔ ابھی وہ رقہ بھی نہ پہنچا تھا کہ نقفور نے تمام عہد و پیمان توڑ دیئے۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ اب فوراً واپس نہیں لوٹ سکتا اور اس عرصے میں وہ اپنی حالت اس قدر مضبوط بنا لے گا کہ اگر ہارون نے دوبارہ اس پر چڑھائی کی بھی تو وہ اسے بآسانی شکست دے سکے گا۔

جب فوج میں نقفور کے عہد توڑنے کی خبر آئی تو ہارون کے غصّے کے خیال سے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے۔ اُنھیں یہ خیال بھی تھا کہ اگر خلیفہ کو اطلاع مل گئی تو وہ ہمیں دوبارہ روم چلنے کا حکم دے گا اور اس سخت سردی میں روم واپس جانا بہت کٹھن کام ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ خلیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی جائے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس غرض کے لئے، ابو محمد عبداللہ بن یوسف، ایک شاعر کو تیار کیا۔ جس نے جا کر ہارون کو مندرجہ ذیل نظم سنائی جس میں نقفور کی عہد شکنی کا لطیف پیرائے میں ذکر تھا:

نُقض الذی اعطیتہ نقفور

وعلیہ دائرۃ البواد تدور

ابشر امیرالمومنین فانہ

فتح اتاک بہ الالہ کبیر

اعطاک جزیتہ وطاطأخدہ

حذر الصوارم والردی محذور

فاجرتہ من وقعھا وکانھا

باکفنا شعل الضرام تطیر

نقفور انک حین تغدر ان نأی

عنک الامام لجاھل مغرور

اظننت حسین غدرت انک مفلت

ھبلتک امک ما ظننت غرور

(نقفور نے اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اب اس پر ہلاکت کی چکی گھومے گی۔ اے امیرالمومنین! آپ اس بات سے خوش ہوں کیونکہ درحقیقت آپ کو عظیم الشان فتح حاصل ہونے والی ہے۔ نقفور نے تلواروں کے ڈر اور ہلاکت کے خوف سے آپ کو جزیہ ادا کیا اور ذلت سے اپنا سر جھکا لیا۔ آپ نے اس کا سر تلوار سے محفوظ رکھا۔ حالانکہ ہماری ہتھیلیوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اے نقفور! تُو نے اس وقت جب ہمارا امام تجھ سے دُور ہو گیا، عہد شکنی کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا، بلکہ نہایت جہالت کی حرکت کی جس وقت تُو نے اپنا عہد توڑا، تو خیال کرتا تھا کہ تُو بچ جائے گا لیکن

یہ تیرا خیال خام ہے۔ اب تو بچ کر نہیں جا سکتا)

جب شاعر یہ شعر پڑھ چکا تو ہارون نے پوچھا "کیا واقعی نقفور نے عہد شکنی کی؟" تب اُسے لوگوں نے بتایا کہ آپ کے غیض و غضب سے بچنے کے لئے اس تدبیر سے آپ کو مطلع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہارون نے فوراً اپنی فوج کو روم کی طرف دوبارہ کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ مورخین روما کے نزدیک اس کی فوج کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ سخت سردی پڑ رہی تھی اور راستہ بہت دشوار گذار تھا لیکن ہارون نے قطعاً پروا نہ کی اور اپنے لشکر کو "ہرقلہ" کے دروازے پر لا بٹھایا، جو روم کا بہت بڑا اور مضبوط شہر تھا۔ ہارون نے اپنے لشکر کے سرداروں کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ آیا شہر کا محاصرہ کیا جائے یا یکدم اس پر حملہ کر دیا جائے؟ اکثر نے یہ رائے دی کہ ہرقلہ کا محاصرہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ ایک عظیم الشان رومی شہر ہے اور اس کے مطیع ہونے سے رومیوں کی تمام شان و شوکت کافور ہو جائے گی۔ ہارون نے بھی اسی رائے کو قبول کر لیا اور تمام لشکر میں منادی کرادی کہ امیرالمومنین نے شہر کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ لشکر کو چاہیئے کہ وہ فوراً محاصرے کی تیاری کرے اور چاروں طرف پھیل کر، پوری طرح شہر کو اپنے گھیرے میں لے لے۔

جب اہل شہر نے دیکھا کہ عباسی لشکر نے شہر کا پوری قوت سے محاصرہ کر لیا ہے تو انھیں زبردست پریشانی لاحق ہوئی۔ ان میں سے بعض نے قلعوں سے باہر نکلنے اور عرب شہ سواروں سے مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک بہادر قلعے سے نکل کر میدان میں پہنچا اور مبارزت کے لئے پکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے ابن جوزی نکلا جو حملہ کرنے اور اپنے دشمن کو سختی سے قابو کرنے میں بے حد مشہور تھا۔ تھوڑی

دیر کی لڑائی کے بعد ابن جوزی نے اپنے مدِمقابل پر قابو پا لیا اور اس کا سر کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے شہر پر عام حملہ کر دیا۔ رومی لشکر مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اسے بُری طرح شکست ہوئی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ فتح کے بعد مسلمانوں نے تمام قلعے مسمار کر دئے۔ تاکہ آئندہ رومی ان میں محصور ہو کر ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس واقعہ کو ابوالعتاہیہ ذیل کے اشعار میں بیان کرتا ہے:

الا نادت ھرقلۃ بالخراب

من الملک الموفق بالصواب

غدا ھارون یرعد بالمنایا

ویرقب بالمذکرۃ القضاب

ورایات یحل النصر فیھا

تمر کانھا القطع السحاب

امیرالمومنین ظفرت فاسلم

وابشر بالغنیمۃ والایاب

(ہرقلہ کا شہر ہمارے بادشاہ کے ہاتھوں جسے نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہے، تباہ و برباد ہو گیا۔ ہارون دشمنوں کو موت سے ڈراتا اور شمشیر براں کو چمکاتا ہے اس کے بہت سے ایسے جھنڈے ہیں جن سے فتح ٹپکتی ہے اور وہ اس تیزی سے گزرتے ہیں جیسے بادل۔ اے امیرالمومنین! آپ نے فتح پا لی ہے۔ آپ کو مال غنیمت حاصل کرنا اور صحیح و سالم واپس آنا مبارک ہو)

ہرقلہ کی فتح کے بعد ہارون الرشید کے سپہ سالار تمام سرزمین روم میں پھیل گئے

اور دھر اُدھر شہروں اور قصبوں کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ امیر آل عباسی حمید قبرص چلا گیا اور فتوحات کے بعد وہاں کے ستر ہزار باشندوں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے آیا۔

بعد ازاں ہارون الرشید نے 'طوانہ' کا رُخ کیا اور اس کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصے بعد خود تو کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ البتہ اپنے پیچھے عقبہ بن جعفر کو چھوڑ گیا۔ آخر جب ہر طرف سے مسلمانوں کی پیش قدمی اور رومیوں کی تباہی و بربادی کی خبریں آنے لگیں تو مجبور ہو کر نقفور نے دوبارہ صلح کی درخواست کی۔ ہارون نے یہ درخواست قبول کر لی اور اسے جزیہ ادا کرنے کا حکم دیا، جس میں خود اس کا جزیہ چار ہزار دینار اور اس کے بیٹے استیراق کا دو ہزار دینار شامل تھا۔ ان جنگوں میں نقفور کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے بے شمار جنگی کشتیاں غرق ہو گئیں اور ایشیائے کوچک کے اکثر شہر پیوند خاک ہو گئے۔

ان جنگوں میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے، جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

ہرقلہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے یہاں سے جو قیدی پکڑے ان میں شہر کے بطریق اعظم کی حسین و جمیل بیٹی بھی تھی جو نقفور کے بیٹے سے منسوب تھی۔ نقفور کو جب اس کے قید ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے دو بڑے بطریقوں کے ہاتھ ہارون کو یہ خط بھیجا۔

عبداللہ ہارون امیر المومنین کے نام
شہنشاہ روم نقفور کی طرف سے

"اے بادشاہ! میری ایک حاجت ہے جو اگر تو پوری کر دے تو نہ تیرے

دین کو نقصان پہنچے گا اور نہ دنیا کو۔ وہ یہ کہ ہرقلہ کے بطریق کی لڑکی، جو میرے بیٹے سے منسوب تھی، اسلامی فوج کے مالِ غنیمت میں آگئی ہے۔ اگر تُو ازراہِ عنایت میری درخواست کو قبول کر کے، وہ لڑکی مجھے دے دے تو میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں گا۔"

ہارون نے اس لڑکی کو طلب کیا۔ جب وہ سامنے گئی تو اُسے آراستہ کر کے ہر قسم کے عروسانہ ساز و سامان کے ساتھ نقفور کے پاس بھجوا دیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ عطریات اور تحفے بھی بھیجے۔ نقفور نے قاصد کو پچاس ہزار درہم دیئے اور انواع و اقسام کے تحفے و دیباج کے کپڑے، گھوڑے، شکاری کتے اور باز ہارون کے لئے بھیجے۔ فریقین میں یہ عہد نامہ ہُوا کہ مسلمان صحلہ اور سنان کے قلعوں کو نہ توڑیں گے اور رومی ہرقلہ کے برباد شہر کو آباد نہیں کریں گے اور ہر سال تین لاکھ دینار جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔

مغربی رُومی سلطنت

جس طرح ہارون الرشید کے عہد میں سلطنت اسلامیہ دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک سلطنت عباسیہ اور دوسری سلطنت بنو اُمیہ، جس نے سپین پر اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا، اسی طرح رومی سلطنت بھی دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک مشرقی اور دُوسری مغربی۔ مشرقی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے جو تعلقات تھے ان کا ذکر صفحات ماقبل میں گزر چکا ہے۔ یہاں مغربی رومی سلطنت کے ہارون الرشید سے تعلقات کے متعلق کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

اس سلطنت کا حاکم وش رلمین، شاہ فرانس تھا۔ شارلمین نے لمبارڈیا پر قبضہ کرکے سیکسن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور بُت پرست تھی، عیسائی بنا لیا تھا پھر اس نے جرمنی اور اٹلی کو بھی فتح کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لاکر، ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور خلافتِ اسلامیہ میں وہ دینِ عیسوی کا علم بردار اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کیا جائے۔ اس غرض کے لئے اُس نے دولتِ عباسیہ سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔ ہارون نے بھی دوستی کا جواب دوستی سے دیا اور اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شارلمین اور ہارون الرشید کے درمیان دوستانہ

تعلقات اور سفیروں کا تبادلہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ نہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اور نہ ان کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔

عربوں اور رومیوں میں اقتصادی تعلقات عرصے سے قائم تھے۔ عرب اور فرانسیسی تاجر ایک دوسرے کی سرزمین میں تجارت کا مال لے کر جاتے تھے اور کثیر منافع اٹھا کر واپس آتے تھے۔ ان کے علاوہ مارسیلز اور یورپ کے یہودی تاجر بھی اکثر تجارت کی غرض سے بلادِ اسلامیہ میں آتے رہتے تھے۔

اقتصادی ضروریات کے علاوہ، روحانی کشش بھی اہلِ مغرب کو بلادِ اسلامیہ کی طرف کھینچتی تھی۔ بیت المقدس مسیحیوں کے نزدیک بھی ارضِ مقدس ہے اور بلادِ مغرب سے سینکڑوں ہزاروں لوگ اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس طرح مشرق و مغرب میں دینی اور تجارتی رشتے قائم تھے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں ان تعلقات کے بارے میں جو شارلمین اور ہارون کے درمیان تھے کچھ نہیں لکھا۔ البتہ فرانسیسی مورخین نے ان واقعات کو کسی قدر تفصیل اور ایضاح سے بیان کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تعلقات زیادہ اہم اور سیاسی رنگ کے نہیں تھے۔ اسی لئے مسلمان مورخین نے ان کا اس اہتمام سے ذکر نہیں کیا۔ شارلمین کی سلطنت دولتِ عباسیہ سے بہت فاصلے پر واقع تھی۔ شارلمین نے خود ہی پہل کر کے ہارون الرشید کے دربار میں وفود اور سفراء بھیجے اور سرزمینِ مقدس میں مسیحی زائرین کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے اور انھیں سہولتیں پہنچانے کی درخواست کی۔ ہارون الرشید اور

مسلمانوں کو شارلمین کا یا اس کی مملکت کا دھیان بھی نہیں آسکتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی شان وشوکت سے واقف تھے۔ ان تعلقات اور روابط کا فائدہ بھی ہارون سے زیادہ شارلمین کو پہنچا۔ کیونکہ مؤخر الذکر چاہتا تھا کہ خلافتِ اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ قسطنطنیہ نقفور سے برتر ہو جائے اور اسے خلافتِ اسلامیہ میں دینِ عیسوی کا علم بردار اور زائرینِ بیت المقدس کا حامی تسلیم کر لیا جائے۔ اسی خیال کے زیرِ اثر اس نے ہارون الرشید کے پاس اپنے وفد بھیجے، جن کے ساتھ اس نے بیش بہا تحفے بھی روانہ کئے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جہاں مشرقی رومی سلطنت سے ہارون کے تعلقات خراب تھے، وہاں اندلس کی سلطنت بنی امیہ اور ہارون کے باہمی تعلقات نہایت برے اور افسوس ناک تھے۔ ہارون بنی امیہ کو باغی اور دشمن سمجھتا تھا، اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہش مند تھا۔ شارلمین کا ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اندلس میں بنی امیہ کی سلطنت اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے مقابلہ میں اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکے اور دونوں سلطنتوں کو کمزور کر کے ان علاقوں میں اپنا اقتدار قائم کر سکے۔

شارلمین کا جو وفد سب سے پہلے ہارون کے پاس آیا وہ ایک یہودی طبیب اسحاق کی زیرِ سرکردگی تھا۔ ایک ماہ تک ہارون نے اس وفد کو شرفِ باریابی نہیں بخشا۔ آخر ایک روز انھیں دربار میں بلایا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو وہاں کی شان وشوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ہارون دربار کے بیچ میں سونے کے ایک تخت پر بیٹھا ہے، جس پر لاتعداد جواہرات لگے ہوئے ہیں۔

تخت کے دونوں طرف جو ستون ہیں ان پر سونے کے پانی سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ہر ستون کے قریب غلام کھڑے ہیں جو پنکھے ہاتھوں میں لیے خلیفہ کو جھل رہے ہیں۔ تخت کے پیچھے دو غلام ننگی تلواریں لیے کھڑے ہیں۔ تخت کے اوپر ایک چھوٹا سا شامیانہ ہے جو آبنوس کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ شامیانہ سیاہ دیباج کا ہے جس پر سنہری نقش ونگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ شامیانے کے کناروں پر سونے کے ہلال بنے ہیں جن پر موتی ٹکے ہیں اور ہر ہلال کے بیچ میں سرخ، زرد اور نیلے یاقوت لگے ہیں۔ ہارون الرشید تخت پر بیش قیمت بھڑک دار لباس پہنے بیٹھا تھا۔ یہ لباس خاص اسی غرض کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونی ملکوں کے وفود آنے پر اسے استعمال کیا جائے۔ اُس نے وفد کے ارکان کا ان کے شایانِ شان استقبال کیا وہ دربار کی شان وشوکت دیکھ کر بے حد مرعوب ہوئے اور ہارون کی عظمت کا جو نقشہ ان کے دلوں میں بنا ہوا تھا۔ اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہ پہلا وفد ۱۸۵ھ ۸۰۰ء میں بغداد پہنچا تھا۔

اس وفد کے جواب میں ہارون الرشید نے بھی اپنا وفد شارلمین کے دربار میں بھیجا اور اس کے ساتھ کئی قیمتی تحفے بھی روانہ کیے۔ ان میں ایک گھڑی بھی تھی۔ فرانس کے شاہی دربار کے بہت سے لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھنٹی بجاتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے چاہا کہ اسے توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے انھیں روکا۔

اس موقعے پر ایک معاہدہ بھی عمل میں آیا جس کے تحت سلطنتِ عباسیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ ارضِ مقدس فلسطین کی زیارت کرنے والے مسیحیوں کی حفاظت کا

پورا انتظام کرے گی۔ اس سے پہلے مسیحی زائرین کی حالت بہت قابلِ رحم تھی اور انھیں رہزنوں اور ڈاکوؤں سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارلمین نے ہارون الرشید کے پاس ایک اور وفد روانہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی بعض نفیس چیزیں بھی بطور تحفہ ہارون کے پاس بھیجیں یہ وفد چار سال یہاں مقیم رہا۔ اس دوران میں دونوں مملکتوں کے درمیان اندلس کی سلطنت بنی امیہ اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے بارے میں کئی معاہدے بھی عمل میں آئے۔

ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد دوبارہ شارلمین کے پاس بھیجا، جس میں بعض مسیحی بھی شامل تھے۔ وفد کا لیڈر ایک شخص عبداللہ تھا۔ وفد کے ساتھ کئی مشرقی تحفے اور بہت خوبصورت پشمینے کا ایک خیمہ بھی تھا۔ جب یہ وفد یورپ کے میدانوں اور شہروں سے گزرتا تھا تو فضا اس عطر کی خوشبو سے مہک اٹھتی تھی جو شارلمین کو تحفے میں پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا اور جس سے یورپ والے اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

امین و مامون کی ولی عہدی

رومی سلطنت کو شکست دینے اور ایک عظیم خطرہ سے نجات پانے کے بعد بھی ہارون الرشید کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اُس کی باقی زندگی اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کرنے میں گزُری۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ اب اس کا آخری وقت نزدیک ہے اور اگر اس کے بیٹوں نے اس کی زندگی ہی میں امورِ مملکت سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کی تو بعد میں یہ عظیم الشان سلطنت جس کی حفاظت اس نے انتہائی جانکاہی کے ساتھ کی ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور ہر حاکم اپنے اپنے علاقے میں خود مختاری کا اعلان کر دے گا۔ اسی لیے وہ ہر وقت اپنے بیٹوں کو اپنے ساتھ رکھتا تھا اور انھیں ملکی نظم و نسق چلانے کی تربیت دیتا تھا۔

اس نے ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی۔ ملک کے بہترین عالموں اور ادیبوں کو نہایت گراں قدر مشاہروں پر ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا، جن اصولوں پر وہ اپنے بیٹوں کو تعلیم دلانا چاہتا تھا۔ معلّمین کو ان طریقوں سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا تھا تاکہ ان کی تعلیم و تربیت میں کوئی نقص نہ رہ جائے۔ ذیل میں وہ ہدایات درج کی جاتی ہیں جو ہارون نے امین کے معلّم 'احمر نحوی' کو امین کی تعلیم کے متعلق دی تھیں۔

احمر نحوی بیان کرتا ہے کہ ہارون نے مجھے اپنے لڑکے محمد الامین کی تعلیم و تربیت کے لیے بلایا۔ جب میں ہارون کے پاس پہنچا تو اُس نے مجھ سے کہا:

"اے احمر! میں نے اپنے جگر کا ٹکڑا تمھارے سپرد کیا ہے۔ تم اسے انتہائی محنت اور قابلیت کے ساتھ تعلیم دو۔ تعلیم کے دوران میں جو سزا تم اسے دینا چاہو تمھیں اس کا اختیار ہے۔ اس پر تمھاری اطاعت اسی طرح واجب ہے، جس طرح میری اطاعت۔ اس کو قرآن پڑھاؤ۔ بزرگانِ سلف کے کارناموں سے روشناس کراؤ۔ شعروادب کی تعلیم دو۔ مخصوص اوقات کے علاوہ ہنسنے اور مذاق کرنے سے روکو۔ اسے بنوہاشم کے بزرگوں کی تعظیم کرنی سکھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ اگر لشکر کے سپہ سالاروں کی مجلس بھی لگی ہو اور بنوہاشم کے بزرگ اس کے پاس آجائیں تو اسے مجلس برخاست کر کے ان کی تعظیم و تکریم کے لیے اُٹھ کھڑا ہونا چاہیے۔ ہر وقت اسے نیک کاموں کی نصیحت کرتے رہو۔ اسے گستاخ نہ بننے دو۔ کبھی اس کی رو رعایت نہ کرو، جہاں تک ممکن ہو سکے اسے اپنے قریب رکھا کرو تاکہ اس میں بُری عادتیں پیدا نہ ہونے پائیں۔ اگر وہ تمھارے احکام کی اطاعت نہ کرے تو بے شک اس سے سختی اور درشتی سے پیش آؤ۔"

مشہور عالم کسائی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ہارون کے پاس گیا۔ معمولی سلام و آداب کے بعد میں گھر جانے لگا تو ہارون نے مجھے حکم دیا کہ ذرا بیٹھے رہو۔ تعمیل ارشاد میں میں بیٹھ گیا۔ جب تمام درباری رخصت ہو گئے اور مجلس میں خلیفہ کے صرف خاص آدمی ہی رہ گئے تو اس نے مجھ سے کہا :

"اے علی! کیا تم محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے عرض کیا۔ "امیرالمومنین! مجھے تو ان کے دیکھنے کا بہت اشتیاق

ہے اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا اور امیر المومنین کے گھر انھیں پیدا کیا۔"

یہ سُن کر ہارون الرشید نے دونوں بیٹوں کو بلوایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نہایت آہستگی اور وقار سے آنکھیں نیچی کئے ہوئے آئے۔ اُنھوں نے اپنے والد کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ ہارون الرشید نے محمد الامین کو اپنے دائیں طرف، اور عبداللہ المامون کو اپنے بائیں طرف بٹھا لیا۔ پھر مجھے کہا کہ قرآن مجید اور دیگر علوم میں ان کا امتحان لوں۔ چنانچہ میں نے اُن سے مختلف سوالات کئے۔ اُنھوں نے میرے سوالات کا اتنی جلدی جلدی اور اتنی تہذیب کے ساتھ جواب دیا کہ میں عش عش کر اُٹھا۔ میں نے خلیفہ کے سامنے ان کی بے حد تعریف کی۔ خلیفہ نے ان دونوں کو سینے سے لگا کر خوب پیار کیا اور پھر رخصت کر دیا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دیکھا کہ ہارون کے رخساروں پر آنسو بہ رہے ہیں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو خلیفہ نے کہا:

"آئندہ ان دونوں بھائیوں میں بڑے بڑے جھگڑے اور لڑائیاں ہوں گی۔ خون بہے گا۔ قتل و غارت کا سلسلہ قائم ہوگا۔ عورتوں کی بے حرمتی ہوگی۔ زندے مُردوں سے بھی بدتر ہوں گے اور اس بات کی تمنا ظاہر کریں گے کہ کاش وہ یہ ہولناک نظارہ دیکھنے سے پہلے مر گئے ہوتے۔"

ولی عہدی کے مسئلے نے ہارون الرشید کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ اسے ہر وقت بے چینی لاحق رہتی تھی کہ اس کی وفات کے بعد سلطنت کا کیا بنے گا۔ اور نہ معلوم اس کے بیٹے سلطنت کا انتظام ٹھیک طور پر کر بھی سکیں گے یا نہیں۔

اصمعی کہتے ہیں کہ ایک روز رات کے وقت میں ہارون الرشید کے پاس گیا۔ میں نے اسے نہایت بے چینی اور اضطراب کی حالت میں پایا۔ کبھی وہ بیٹھ جاتا تھا، کبھی لیٹ جاتا تھا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وہ رو رہا تھا اور یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

قلد امور عباد اللہ ذا ثقة
موحد الرأی لانکس ولا برم
واترک مقالة اقوام ذوی خطل
لا یفهمون اذا ما معشر فهموا

(اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کاموں پر اسی شخص کو مقرر کرو جو قابلِ اعتماد اور مستقل مزاج ہو۔ اس شخص کو کبھی کام سپرد نہ کرو جو متلوّن مزاج اور بے وقوف ہو۔ ایسے لوگوں کی باتوں کی پروا نہ کرو جو بیہودہ گفتگو کرتے ہیں اور انھیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہوتی)

جب میں نے یہ اشعار سنے تو اپنے دل میں خیال کیا کہ خلیفہ ضرور کسی اہم امر کے متعلق سوچنے میں مشغول ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ یحییٰ بن خالد کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ گیا اور اسے بُلا کر لے آیا۔ خلیفہ نے اُس سے کہا:

"اے ابوالفضل! رسول اللہ صلعم نے بغیر وصیّت کئے ایسے وقت میں وفات پائی جب کہ اسلام اپنے زمانۂ طفولیت میں سے گزر رہا تھا۔ رسولِ خدا صلعم کی وجہ سے سارا عرب متحد اور متفق ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں پر رحمت

فرما کر انھیں خوف و خطر سے امن دیا اور ذلت کے بعد عزت سے نوازا۔ جونہی آپ کی وفات ہوئی۔ عرب کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مقابلے میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد جو ہوا وہ تمھیں معلوم ہی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔ تمام اُمت آپ کے اس فیصلے پر راضی ہو گئی اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے مجلس شوریٰ قائم کر دی۔ اس کے بعد خلافت کے متعلق جو جھگڑے اُٹھے اور مسلمانوں کو جس دور میں سے گزرنا پڑا، اس سے بھی تم اچھی طرح واقف ہو۔ اب میرا یہ ارادہ ہے کہ اپنے جانشینوں کے لیے کوئی بہتر انتظام کر جاؤں اور خلافت کا بار اُس کے کندھوں پر ڈالوں، جو چال چلن اور عادات و اطوار کے لحاظ سے بہترین شخص ہو، جو سیاسی امور کو اچھی طرح سمجھ سکے اور کمزوری اور ضعف اس کے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے (اس وقت ہارون اپنے بیٹے امین کے لیے ولی عہدی کا فرمان لکھ چکا تھا لیکن مامون کے لیے کوئی فرمان نہ لکھا تھا) میں عبداللہ المامون کو ان صفات کا پوری طرح حامل سمجھتا ہوں لیکن بنو ہاشم اپنے بعض فوائد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امین کی خلافت کے خواہش مند ہیں۔ گو انھیں اچھی طرح علم ہے کہ امین متلون مزاج، فضول خرچ اور عیاش ہے اور عورتوں کے کہنے پر چلتا ہے۔ اب اگر میں عبداللہ المامون کو امین پر ترجیح دوں تو بنی ہاشم مجھ سے ناراض ہو جائیں گے اور اگر امین کو ولی عہد مقرر کروں تو مجھے اس بات کا خوف ہے کہ سلطنت کے انتظام میں بڑی خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لیے مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، کیونکہ ان امور میں تمھاری نگاہ بڑی دور رس ہے۔"

یحییٰ نے کہا "میں خلوت میں اس کے متعلق کچھ عرض کر سکوں گا" اصمعی کہتا ہے کہ اس پر خلیفہ نے مجھے چلے جانے کو کہا۔ میں وہاں سے اُٹھ کر ایسی جگہ پر آ کھڑا ہوا، جہاں سے میں ان دونوں کی ساری باتیں سُن سکتا تھا۔ چنانچہ دیر تک ان میں اس معاملے پر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ امین کے بعد مامون کی خلافت کا فرمان لکھا جائے۔

لیکن ہارون نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہ فرمان بھی لکھ دیا کہ اس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی حکومت ملے گی اور امین عراق، افریقہ اور عرب پر قابض رہے گا۔ اس پر امین کی والدہ زبیدہ کو بہت غصہ آیا اور اُس نے ہارون سے شکایت کی کہ آپ نے اپنے بیٹے محمد الامین سے انصاف نہیں کیا۔ ایک تو تمام سلطنت اس کے حوالے کرنے کے بجائے صرف عراق، افریقہ اور عرب کے علاقے اسے دیئے۔ خراسان اور مشرقی علاقے مامون کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے مامون کو فوج کا اکثر حصہ اور فوجی مصارف کے لیے زرِ نقد دینے کا حکم بھی صادر کر دیا اور امین کو اس سے محروم رکھا۔

ہارون نے جواب دیا:

"تمھیں امورِ سلطنت کی پیچیدگیوں کی کیا خبر؟ میں نے تمہارے بیٹے کو جو علاقہ دیا ہے اس میں ہمیشہ امن وامان رہتا ہے لیکن مامون کے حصے میں جو علاقہ آیا ہے وہ بغاوت اور شر انگیزی کا مرکز ہے۔ اس لیے اسے فوج اور روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ مامون سے تمہارے بیٹے امین کو کسی قسم کا خطرہ ہو گا۔ البتہ اس بات کا خوف ضرور ہے کہ تمہارا بیٹا مامون کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔"

۱۸۶ھ-۸۰۲ء میں ہارون الرشید حج کے لئے گیا اور اپنے ساتھ امین اور

مامون کو بھی لے گیا۔ مکہ معظمہ میں اُس نے ان دونوں کی ولی عہدی کا فرمان لکھا اور اسے کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا۔

ابراہیم حجی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ فرمان کعبے کے دروازے پر آویزاں کیا جانے لگا تو وہ لٹکانے والے کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا "یہ تو بُری فال ہوئی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس معاہدے پر عمل درآمد ہونے سے پہلے ہی اس کے ٹوٹنے کی نوبت آجائے۔" یہ وہم بعد میں واقعہ بن گیا۔ ہارون نے خانہ کعبہ میں ولی عہد امین سے اس بات کا حلف لیا کہ وہ ان شرائط پر، جو فرمان میں لکھی ہیں۔ پوری طرح کاربند رہے گا، یعنی کہ اس کی وفات کے بعد مامون کو خراسان کی ولایت سپرد کر دے گا اور اپنے بعد مامون ہی کو ولی عہد مقرر کرے گا۔ جب حلف اُٹھانے کی رسم کے بعد امین خانہ کعبہ سے باہر جانے لگا تو جعفر بن یحییٰ نے اس سے کہا:

"اگر تم نے عہد شکنی کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمھیں ذلیل کرے گا۔"

اُس نے امین کو اپنے عہد پر قائم رہنے کے لیے تین بار حلف اُٹھانے پر بھی مجبور کیا اور امین کو مجبوراً تین بار حلف اُٹھانا پڑا۔ اس واقعے سے ہارون الرشید کی بیوی اور امین کی والدہ، زبیدہ، کے دل میں جعفر کی طرف سے کینہ اور بغض پیدا ہو گیا اور اُس نے پورے زور شور سے ہارون کو جعفر کی طرف سے بھڑکانا شروع کیا جس کا نتیجہ جعفر کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خراسان میں بغاوت

خراسان کی بغاوت کا مختصر سا حال پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اسے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

خُراسان کا والی علی بن عیسیٰ تھا۔ ہارون الرشید نے جس وقت علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی بنایا تھا۔ اس وقت اپنے وزیر یحییٰ بن خالد سے مشورہ کیا تھا (یہ زوالِ برامکہ سے پہلے کی بات ہے) یحییٰ نے اس کی ولایت کی مخالفت کی مگر ہارون نے اس کے مشورے کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور علی ہی کو والی بنا کر بھیج دیا۔ جب علی وہاں پہنچا تو اُس نے لوگوں پر ظلم وستم ڈھانا اور امراء و رؤسا کا مال و اسباب چھیننا شروع کر دیا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں اُس نے بے حد مال جمع کر لیا۔ اُس میں سے اُس نے ہارون کے لیے بھی قسم قسم کا عمدہ سامان، کپڑے اور گھوڑے بھیجے۔

جس وقت یہ مال و اسباب ہارون کے پاس پہنچا، وہ ایک چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اپنے ساتھ اُس نے یحییٰ بن خالد کو بٹھا لیا اور اس سے ہنس کر مذاقاً کہنے لگا "تم نے ہمیں مشورہ دیا تھا کہ ہم علی بن عیسیٰ کو خراسان کا والی نہ بنائیں، لیکن ہم نے تمھارا مشورہ قبول نہ کیا۔ دیکھو! ہمیں تمھارا مشورہ قبول نہ کر کے کتنی برکت حاصل ہوئی اور ہم کتنے فائدہ میں رہے۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔" امیر المومنین! اگرچہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری رائے درست نکلے اور جو مشورہ میں دوں اسے قبول کیا جائے، لیکن اس سے بھی زیادہ میں یہ چاہتا ہوں کہ امیر المومنین کی رائے درست، صائب اور بہتر ہو۔ کیونکہ آپ کی فراست میری فراست سے، آپ کا علم، میرے علم سے اور آپ کی معرفت، میری معرفت سے کہیں زیادہ ہے، خدا کرے کہ علی کی ولایت مبارک ثابت ہو، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ مال علی بن عیسیٰ نے لوگوں پر ظلم و تشدد کر کے حاصل نہ کیا ہو۔ امیر المومنین! اسی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو کرخ کے تاجروں سے ابھی ابھی اس سے کئی گنا زیادہ مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"

خلیفہ نے پوچھا "وہ کیسے؟"

یحییٰ نے کہا "میں نے ایک تاجر سے بیش قیمت ہیرے کا سودا کرنا چاہا تھا اور اس ہیرے کے بدلے اسے سات لاکھ درہم پیش کئے تھے، مگر اس نے اس قیمت پر اسے بیچنے سے انکار کر دیا۔ ابھی میں اپنے غلام کو بھیج کر دوبارہ قیمت مقرر کرنے کے بہانے وہ ہیرا منگوا لیتا ہوں اور ہیرا ملنے پر اس کے واپس کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ اس سے مجھے سات لاکھ روپیہ کا فائدہ ہو جائے گا۔ اسی طرح میں کرخ کے باقی تاجروں کے ساتھ کر سکتا ہوں اور تین گھنٹوں میں بس ذرا سی کد و کاوش کے ساتھ میں اس سے بھی زیادہ قیمتی مال جمع کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں جتنا علی بن عیسیٰ نے تین سال میں جمع کیا ہے۔"

ہارون کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی لیکن اس نے فی الحال کوئی کاروائی کرنی مناسب نہ سمجھی اور بات کو ٹال گیا۔ لیکن جب علی بن عیسیٰ نے خراسان میں رعایا پر

سخت مظالم ڈھانے شروع کئے تو وہاں کے سربرآوردہ لوگوں نے ہارون کو سارا حال لکھا اور درخواست کی کہ خدا کے واسطے اس عذاب کو ہمارے سروں سے دُور کیجئے اور علی کے بجائے کسی اور کو والی بنا کر بھیجئے۔ اس پر ہارون نے یحییٰ بن خالد کو بُلایا اور اس سے مشورہ کیا۔ اُس نے کہا کہ یزید بن مزید کو والی بنا کر بھیج دیجئے۔ اس دفعہ بھی خلیفہ نے اس کا مشورہ قبول نہ کیا۔

اب خلیفہ کے پاس خبریں آنی شروع ہوئیں کہ علی بن عیسیٰ خلیفہ کے خلاف فوجیں جمع کر رہا ہے۔ اس پر جمادی الاول ۱۸۹ھ - ۸۰۴ء میں خلیفہ اپنے لشکر کے ساتھ رے پہنچا اور وہاں چار ماہ ٹھہرا۔ اسی دوران میں علی بن عیسیٰ خراسان سے کثیر اموال اور ہدایا لے کر خلیفہ کے حضور میں آیا۔ پہلے تو خلیفہ کی خدمت میں تحفے پیش کئے۔ پھر خلیفہ کے سارے بیٹوں، خاندان اور خادموں کو جو اس کے ساتھ تھے مراتب کے مطابق تحفے دیئے۔ چونکہ خلیفہ نے کوئی آثار بغاوت کے نہ پائے، اس لیے اس نے اسے دوبارہ خراسان کا والی بنا کر بھیج دیا۔

علی بن عیسیٰ واپس پہنچا اور جس شخص کے متعلق بھی اسے پتا چلا کہ اس نے اس کی مخالفت میں کسی قسم کا کوئی حصہ لیا تھا اس کو سخت ترین تکلیفیں پہنچانی شروع کیں اور ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

یہ لوٹ کھسوٹ جاری ہی تھی کہ رافع بن لیث بن نصر بن سیار نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (نصر بن سیار بنی اُمیہ کے وقت میں خراسان کا والی تھا) اس بغاوت کا سبب یہ تھا کہ ایک شخص یحییٰ بن اشعث طائی نے اپنی چچازاد بہن سے جو نہایت مالدار، حسین و جمیل اور ادیبہ تھی، شادی کی۔ خود تو مدینۃ السلام (بغداد) چلا گیا اور

اس کو سمرقند میں چھوڑ گیا۔ جب تم اسے بغداد میں گئے بہت دن ہو گئے اور اس نے پلٹ کر بیوی کی خبر نہ لی تو مجبور ہو کر بیوی نے اس سے طلاق لینی چاہی۔ رافع بن لیث کو یہ خبر پہنچ گئی۔ وہ پہلے ہی اس کے حسن و جمال اور دولت مندی کی وجہ سے اس پر فریفتہ ہو رہا تھا۔ جھٹ اس کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا کہ تمھارا خاوند تو تمھیں چھوڑ بیٹھا ہے۔ میں ایک معزز خاندان کا فرد ہوں۔ تم مجھ سے شادی کر لو۔ وہ راضی ہو گئی۔ رافع نے اسے یہ حیلہ بتایا کہ موجودہ حالت میں تو میں تم سے شادی کر نہیں سکتا کیونکہ تمھارا شوہر زندہ ہے اور اس نے تمھیں طلاق نہیں دی۔ تم یہ کام کرو کہ اسلام سے بیزاری کا اظہار کر کے مرتد ہو جاؤ اور کچھ لوگوں کو اس پر گواہ بنا لو۔ یہ کام کرنے کے بعد تم توبہ کر لینا۔ اب تمھاری شادی مجھ سے جائز ہو جائے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور رافع نے جھٹ اس سے نکاح کر لیا۔

جب یحییٰ بن اشعث کو یہ خبر پہنچی تو وہ روتا پیٹتا ہارون کے پاس پہنچا اور اسے ماجرا سنایا۔ ہارون بہت ناراض ہوا اور علی بن عیسیٰ کو حکم بھیجا کہ دونوں کو جدا کر دو اور رافع کو پہلے تو بے حد مارو اور پھر ایک گدھے پر سوار کر کے سارے سمرقند میں پھراؤ تاکہ دوسروں کی عبرت کا سامان بنے۔ اس کے بعد اسے قید کر دو۔

سمرقند کے عامل سلیمان بن حمید نے مار تو معاف کر دی لیکن باقی سزائیں جن کا خلیفہ نے حکم دیا تھا دے دیں۔ پھر اسے قید کر دیا۔ وہ قید سے بھاگ نکلا اور وہاں سے سیدھا علی بن عیسیٰ کے پاس پہنچا اور امان کا طالب ہوا۔ علی نے اسے تو کچھ جواب نہ دیا لیکن جلاد کو اس کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔ اب اس کا بیٹا عیسیٰ بن علی آڑے آیا اور اس نے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرا دی

دوبارہ طلاق دلوائی اور رافع کو سمرقند واپس جانے کی اجازت دلوادی۔ چنانچہ وہ سمرقند چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اُس نے سمرقند کے عامل سلیمان بن حمید کو قتل کر دیا اور خود طاقت حاصل کرنی شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں اُس نے ماوراءالنہر تک اپنا اثر قائم کرلیا اور لوگوں نے جوق در جوق آکر اس کی بیعت کرنی شروع کردی۔

جب یہ خبریں علی بن عیسیٰ کو پہنچیں تو اُس نے اپنے لڑکے کو اُس کے مقابلے کے لیے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے تیاریاں شروع کردیں۔ ادھر رافع نے زبردست طاقت حاصل کرلی تھی۔ اہلِ نسف نے اس کو لکھا کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ کچھ آدمیوں کو بھیجئے تاکہ کسی طرح عیسیٰ بن علی کو قتل کیا جاسکے چنانچہ اُس نے شاس اور فرغانہ کے ترکوں کی ایک جماعت بھیجی جس نے جاکر عیسیٰ بن علی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اُس کے ساتھیوں سے کوئی تعرض نہ کیا۔

علی بن عیسیٰ اس وقت بلخ میں تھا۔ جب اُس نے اپنے بیٹے کا حال سنا تو وہ وہاں سے بھاگا اور مرو پہنچا، کیونکہ اُسے خطرہ تھا کہ کہیں رافع یہاں تک نہ پہنچ جائے اور اُس کا بھی وہی حشر ہو جو اُس کے بیٹے کا ہوا۔

اس کے بیٹے عیسیٰ نے بلخ میں اپنے گھر کے باغ میں ایک بیش بہا خزانہ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تیس لاکھ دینار کی مالیت کا تھا، چھپا رکھا تھا، اس بھید کو سوائے اس کی ایک لونڈی کے اور کوئی نہ جانتا تھا۔ حتیٰ کہ علی بن عیسیٰ کو بھی اس کی خبر نہ تھی۔ جب علی بن عیسیٰ بلخ سے بھاگ نکلا تو اس لونڈی نے بعض غلاموں کو یہ بات بتادی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر شہر میں بھی پہنچ گئی اور لوگوں نے آکر وہ خزانہ لوٹ لیا۔

جب ہارون کو یہ خبریں ملیں کہ علی بن عیسیٰ بغیر اس کی اجازت کے بلخ سے

نکل کر بھاگ گیا اور اتنا زبردست خزانہ جو لوٹ مار کے ذریعے اور خراج میں سے خیانت
کر کے جمع کیا گیا تھا اس کے پائیں باغ میں سے نکلا ہے۔ ادھر وہ رافع کا مقابلہ کرنے
سے بالکل عاجز ہو گیا ہے جس سے اس کی خیانت، بزدلی اور سیاست سے نااہلی
پوری طرح ظاہر ہو گئی ہے تو اسے سخت طیش آیا اور اس نے اُسے معزول کرنے
اور سخت باز پرس کرنے کا ارادہ کیا۔

اُس نے اس غرض سے ہرثمہ بن اعین کو، جو بہت بہادر جرنیل تھا، بلایا اور
اُس سے رازدارانہ کہا کہ سرحدِ مشرق پر گڑبڑ ہو رہی ہے۔ اہلِ خراسان نے علی بن عیسیٰ کی
ولایت قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ خود بھی میرے احکامات کو پس پشت ڈال کر
اپنی من مانی کر رہا ہے، اور اب اُس نے مجھے مدد بھیجنے کے لیے لکھا ہے۔ میں اُسے
لکھتا ہوں کہ تمھاری درخواست پر مدد بھیجی جا رہی ہے اور میں تمھیں مال و اسباب، ہتھیار
اور فوج دے کر وہاں بھیج رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ مطمئن ہو جائے گا کہ واقعی اس کے لیے
خلیفہ نے کمک بھیجی ہے۔ میں تمھیں اپنے ہاتھ سے ایک دستاویز لکھ دوں گا جس کے
متعلق کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ جب تم نیشاپور پہنچ جاؤ، تو پھر جو کچھ اس اعلان میں
لکھا ہو گا اس کے مطابق عمل کرنا۔ ادھر میں تمھارے ساتھ ہی ایک خادم کے ہاتھ علی بن
عیسیٰ کو بھی ایک خط بھیجوں گا۔ اس خادم کو بھی یہ پتا نہ ہونے پائے کہ تم کس مقصد کے لیے
خراسان جا رہے ہو، بلکہ یہ بات بالکل مخفی رہے۔ اپنے لشکر میں بھی اس بات کا اظہار
کر دینا کہ تم علی بن عیسیٰ کی مدد کے لیے جا رہے ہو۔ اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ علی بن عیسیٰ بالکل
مطمئن رہے گا اور اس کے دل میں بغاوت یا بھاگنے کا خیال تک پیدا نہ ہو گا۔

علی بن عیسیٰ کو جو خط ہارون نے لکھا، اس میں اس کی ساری کرتوتوں کو طشت از بام

کرتے ہوئے، وہ مقصد بھی بنایا گیا جس کے لیے اُس نے ہرثمہ کو بھیجا تھا۔ ہرثمہ کو جو دستاویز لکھ کر دی۔ وہ مندرجہ ذیل تھی :

"یہ وہ عہد ہے جو ہارون الرشید امیرالمومنین نے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی اور نگران خراج بناتے ہوئے کیا ہے۔ اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ خُدا اور رسول کی پوری اطاعت کرے اور خُدا کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرے۔ ہر بات میں کتاب اللہ کے احکامات کے مطابق عمل کرے۔ خدا تعالیٰ نے جن باتوں کو حلال قرار دیا ہے اُنھیں حلال سمجھے اور جنھیں حرام قرار دیا ہے انھیں حرام سمجھے، اور جو متشابہات ہوں ان پر بطورِ خود عمل نہ کرے بلکہ ان کے متعلق فقہا اور علماء سے پوچھے یا اپنے امام کو اس کی خبر دے تا کہ وہ اُسے خدا تعالیٰ کے احکام کی صحیح حقیقت بتا سکے۔ اسے اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ فاسق علی بن عیسیٰ، اس کے بیٹوں۔ اور اس کے عمال کو گرفتار کر لے۔ ان کے ذمے امیرالمومنین کا جو خراج اور مسلمانوں کی جو غنیمتیں نکلتی ہیں وہ ان سے اُگلوائے۔ جب یہ معاملہ صاف ہو جائے، تو پھر مسلمانوں اور معاہدین کے حقوق کی جانچ پڑتال کرے اور جس کا کوئی حق کسی کے ذمے نکلتا ہو وہ اس کو دلائے۔ اگر امیرالمومنین یا مسلمانوں کے حقوق میں سے کسی نے کچھ غصب کیا ہو اور وہ اس کے ادا کرنے سے انکار کرتا ہو تو پھر ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دے کر مجبور کرے کہ وہ سب حقوق ادا کر دیں۔ اس کے بعد ان کو پابجولان ذلت کے ساتھ امیرالمومنین

کے دربار میں بھیج دے۔ وہاں کے لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن کا سلوک کرے۔ ان کے ساتھ کشادہ رُوئی سے پیش آئے، انھیں ان کی توقعات سے بڑھ کر حوصلہ دے، انھیں ہر حملے سے بچائے، وہ کام کرے جن سے خدا تعالیٰ اور اس کا خلیفہ خوش ہو۔ یہ میرا عہدنامہ ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں، حاملین عرش اور آسمان کے ساکنین کو گواہ بناتا ہوں۔ وکفیٰ باللہِ شہیدا۔"

ہرثمہ خراسان روانہ ہوا اور ہارون کے احکامات پر پوری طرح عمل کیا۔ جب وہ مرو پہنچا تو علی بن عیسیٰ اس کے استقبال کے لئے نکلا۔ اُسے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ہرثمہ دربارِ خلافت سے اس کی گرفتاری کے لئے مقرر ہو کر آیا ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ محل میں جا کر ہرثمہ نے ہارون کا فرمان جو اس نے علی بن عیسیٰ کے لئے لکھا تھا، اُسے سنانا شروع کیا۔ اس کے مُنہ سے پہلا فقرہ نکلتے ہی علی بن عیسیٰ کے چھکے چھوٹ گئے اور شروع ہی میں اسے اپنے انجام کی خبر ہو گئی۔ فرمان سنانے کے بعد ہرثمہ نے اسے اور اس کے بیٹوں کو عمال سمیت قید کر لیا۔ اس کے بعد وہ جامع مسجد گیا اور وہاں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو بتایا کہ امیرالمومنین نے علی بن عیسیٰ کی سرکشیوں، ظلموں اور فسق و فجور کی وجہ سے اسے قید کر لینے کا حکم دیا ہے اور مجھے اس کی جگہ والی بنا کر بھیجا ہے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے بلا دورعایت کے انصاف کروں، انھیں ان کے حقوق دلاؤں اور ان پر جو کچھ ظلم ہو چکے ہیں، ان کا ازالہ کروں۔ پھر اس نے وہ فرمان جو ہارون نے اسے لکھ کر دیا تھا۔ ایک آدمی کو پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔ اس پر لوگ بہت خوش ہوئے، ہر طرف شادمانی کی لہر دوڑ گئی اور لوگ بے اختیار امیرالمومنین

کو دُعائیں دینے لگے۔

اس کے بعد ہرثمہ نے علی بن عیسیٰ اور اس کے خاندان اور غلاموں کے پاس جو کچھ مال واسباب تھا، اسے جمع کیا اور پندرہ سو اونٹوں پر لدوا کر بغداد روانہ کر دیا۔ خراسان پہنچ کر اُس نے جو کچھ کیا تھا، اُس کی مفصّل کیفیت بھی ہارون کو لکھ بھیجی جب یہ سب کچھ ہو لیا تو اُس نے علی بن عیسیٰ کو مع اُس کے بیٹوں کے پا بہ زنجیر بغداد روانہ کر دیا۔

اب ہرثمہ نے رافع کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ لیکن وہ اس کے قابو میں نہ آسکا آخر کار اُس کے استیصال کے لئے خود ہارون ماہ ربیع الثانی ۱۹۳ھ - ۸۰۸ء میں خراسان روانہ ہوا۔ یہ اُس کا آخری سفر تھا۔ اسی سفر میں اس کا طوس پہنچ کر انتقال ہو گیا رافع کا اس وقت تو استیصال نہ ہو سکا لیکن مامون کے زمانے میں اُس نے بغیر لڑے بھڑے خلیفہ وقت کی اطاعت قبول کر لی۔

ہارون کی وفات

رافع کی بغاوت کو جب ہر ثمہ بھی فرو نہ کر سکا تو ہارون نے اس کے استیصال کے لئے خود خراسان جانے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ اس سفر کے لئے روانہ ہُوا تو اس کی طبیعت خراب تھی۔ راستے کی دشوارگزاری اور طوالت نے اس کی صحت پر اور بھی بُرا اثر ڈالا۔ اسی حالت میں اسے فضل بن یحییٰ کی وفات کی خبر پہنچی۔ ہارون اور فضل ہم عمر تھے چونکہ ہارون کو علمِ نجوم پر بہت اعتقاد تھا اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ ستاروں کی گردش کا اس پر اور فضل پر یکساں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے جونہی اُس نے سُنا کہ فضل کی قید خانے میں وفات ہو گئی اسی وقت سے اسے اپنی موت کا بھی یقین ہو گیا۔ اُس نے خراسان کی جانب ابھی دو چار ہی منزلیں طے کی ہوں گی کہ اس نے اپنے ایک ندیم سے کہا "مجھے یقین ہے کہ میرا آخری وقت قریب ہے اور میں تم لوگوں میں زیادہ عرصہ نہ رہوں گا کیونکہ مجھے جو تکلیف ہے تم اس سے واقف نہیں ہو۔"

ہارون اگرچہ بیمار تھا لیکن وہ اپنے مرض پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ انتہائی درد و کرب کی حالت میں اپنا سفر طے کر رہا تھا لیکن سوائے اپنے خاص ندیموں کے اور کسی سے اپنا حال کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کے تمام ساتھی اس کی موت کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں اور بعض لوگ اس کے دونوں بیٹوں کی طرف سے جاسوسی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ مسرور، مامون

کا محاسوس تھا اور جبریل بن بختیشوع طبیب، امین کی جانب سے اس کا نگران تھا۔

دونوں ولی عہد، دوسرے لوگوں سے بھی زیادہ بے صبری سے اپنے والد کی موت کی گھڑیاں گن رہے تھے، تاکہ اس کی وفات کے بعد وہ خلافت اور حکومت سے اپنا حصہ پاسکیں اور سلطنت کے خزانوں کو اپنے قبضے میں لاکر اپنے عیش و آرام کے سامان بہم پہنچا سکیں۔ امین تو روزانہ ایک سوار بغداد سے ہارون کے لشکر میں بھیجا کرتا تھا کہ وہ ہارون کی صحت کے متعلق معلوم کر کے اسے بتایا کرے۔

آہستہ آہستہ ہارون کی کمزوری بڑھتی گئی اور وہ مزید سفر کرنے کے بالکل قابل نہ رہا۔ مجبوراً اس کو خراسان کے شہر طوس میں پڑاؤ کرنا پڑا۔

خلیفہ شہر کے نواح میں ایک پُر فضا جگہ منتقل ہو گیا اور اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ طبیب کو حاضر کیا جائے۔ طبیب آیا اور اس نے ہارون کا اچھی طرح معائنہ کیا لیکن اس کی حالت دیکھ کر مایوسی کا اظہار کیا اور اس کے ندیموں سے کہہ دیا کہ امیر المومنین اب جانبر نہیں ہو سکتے، ان سے کہہ دو کہ اگر وہ کوئی وصیت کرنا چاہتے ہیں، تو کر دیں۔

ہارون کو جب طبیب کا یہ جواب سنایا گیا تو وہ بے اختیار رو پڑا۔ اس وقت اس کی زبان سے یہ دو شعر نکلے ؎

ان الطبیب بطبہ و دوائہ　　لا یستطیع دفاع محذور اتی

ما للطبیب یموت بالداء الذی　　قد کان یبری مثلہ فیما مضی

(طبیب اپنے تمام علم طب اور دوا کے باوجود میری بیماریوں کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ طبیب کا علم کس کام کا، کہ وہ اسی دوا کے استعمال سے مرجاتا ہے جس کے استعمال سے پچھلے لوگ اچھے ہو گئے ہوں)

آخر اس کی طاقت نے جواب دینا شروع کردیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر تمام فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ جب اسے یہ بات معلوم ہوئی، تو اس نے ایک گھوڑا حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب گھوڑا آیا تو اس نے گھوڑے پر سوار ہونے کی بڑی کوشش کی تاکہ فوج اس کو بچشم خود دیکھ لے اور اس کی گھبراہٹ جاتی رہے لیکن اپنی کوشش کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور مجبوراً اسے واپس اپنے بستر پر جانا پڑا۔

اب ہارون کو چارپائی سے اٹھنے کا بھی یارا نہ رہا۔ ہر وقت موت اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرتی رہتی تھی اور موت ہی کے خواب نظر آتے رہتے تھے۔

جبریل بن بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک روز میں رقہ میں ہارون کے پاس حاضر ہوا۔ وہ اس وقت بالکل چپ چاپ لیٹا ہوا تھا۔ میں نے طبیعت دریافت کی تو اس نے کہا، آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص کا ہاتھ میرے بستر کے نیچے سے برآمد ہوا اور مجھے کچھ سرخ مٹی دکھائی۔ اسی وقت ایک آواز آئی کہ یہ اس زمین کی مٹی ہے جہاں تم دفن کئے جاؤ گے۔ میں نے دریافت کیا کہ اس علاقے کا نام کیا ہے۔ جواب ملا "اس علاقے کا نام طوس ہے۔"

جبریل کہتا ہے میں نے خلیفہ کو تسلی تشفی دی اور کہا کہ خراسان کی بغاوت کی وجہ سے آپ کے خیال پریشان ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے ایسے خواب نظر آرہے ہیں

آپ فکر نہ کریں۔ لیکن جب طوس میں خلیفہ کی طبیعت بگڑ گئی تو اُس نے مجھ سے کہا کہ رقہ میں میں نے تم سے جو خواب بیان کیا تھا وہ تمھیں یاد ہے؟ اس کے بعد مسرور کو حکم دیا اس باغ کی مٹی جہاں میں مقیم ہوں، ہتھیلی پر اُٹھا لاؤ۔ مسرور فوراً اس باغ کی مٹی اپنی ہتھیلی پر اُٹھا لایا اور خلیفہ کو دکھائی۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ یہ وہی سُرخ مٹی ہے اور یہ وہی ہاتھ اور بازو ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔"

اس کے بعد اُس نے کفن تیار کرنے اور قبر کھودنے کا حکم دیا جب قبر کھُد کر تیار ہو گئی اور خلیفہ نے اُسے دیکھا تو اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

ما اغنی عنی مالیہ

ھلک عنی سُلطانیہ

(میرے مال نے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ میرا تمام غلبہ و اقتدار جاتا رہا)

اصمعی ذکر کرتا ہے کہ میں ہارون کے پاس اس کے مرض الموت کی حالت میں گیا۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے اور وہ اسے پڑھ رہا ہے اور اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ جب ہارون نے مجھے دیکھا تو اُس نے مجھے بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس کاغذ پر ابو العتاہیہ کے چند اشعار لکھے تھے:

ھل انت معتبر بمن خلت

منذ غداۃ مضی دساکرہ

و بمن اذل الموت مصرعہ

فتبرأت منہ عشائرہ

وبمن خلت منه اسرته

وبمن خلت منه منابره

ابن الملوک وابن غیرهم

صاروا مصیراً انت صائره

یا مؤثر الدنیا بلذته

والمستعد لمن یفاخره

نل مابدالک ان تنال

من الدنیا فان الموت آخره

(کیا تو ان لوگوں سے عبرت نہیں پکڑتا جو تجھ سے پہلے گزر گئے، جنھیں موت نے پچھاڑ کر خاک میں ملا دیا۔ ان کے محلات اور جاہ وحشم کے سامان ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ان کے دوست، احباب اور رشتہ دار ان کی کچھ مدد نہ کر سکے اور ان کی سب شان وشوکت خاک میں مل گئی۔ موت کے آگے نہ بادشاہوں کا کچھ زور چل سکا اور نہ دوسرے لوگوں کا۔ وہ سب اسی منزل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں کا سفر اب تجھے درپیش ہے۔ اے وہ شخص جو دُنیا کو لذتوں کی وجہ سے ترجیح دیتا ہے اور دنیوی فخر ومباہات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے! جتنا ہو سکے دُنیا سے فائدہ اُٹھا لے کیونکہ بالآخر موت کے ذریعے سے آرام وآسائش کے سب اسباب چھن جانے والے ہیں)

اصمعی کہتا ہے کہ جب میں یہ اشعار پڑھ چکا تو ہارون نے کہا "ان اشعار کا مخاطب اس وقت میں ہی ہوں۔"

۳ رجمادی الثانی ۱۹۳ھ مطابق ۲۲ رمارچ ۸۰۹ء کو ہارون کی طبیعت پچھلے دنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ خراب تھی، اسی حالت میں اس کے حاجب نے اسے آکر بتایا کہ رافع کا بھائی بشیر جو باغیوں کا سرغنہ ہے، قید کر کے لایا گیا ہے۔ ہارون نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اس کے سامنے لایا گیا تو ہارون نے کہا:

"تُو نے مجھے انتہائی شدید تکلیف دی ہے، مجھے باوجود سخت بیماری اور ضعف کے یہ سفر اختیار کرنا پڑا۔ خدا کی قسم! میں تجھے اس طرح قتل کراؤں گا کہ اس سے پہلے آج تک کسی نے کسی کو نہ کرایا ہوگا۔"

چنانچہ اُس نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کے سامنے اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب ہارون نے دیکھا کہ اس کا آخری وقت قریب آگیا ہے تو اُس نے تمام بنی ہاشم کو، جو لشکر میں موجود تھے، بُلایا اور اُنھیں یہ وصیت کی:

"ہر مخلوق کو بالآخر موت کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ اس وقت جو کچھ میری حالت ہے وہ تم پر عیاں ہے۔ میں تمھیں تین باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ پہلی یہ کہ اپنی امانتوں کی حفاظت کرنا۔ دوسری یہ کہ اپنے حاکموں کی ہر وقت خیر خواہی کرنا۔ تیسری یہ کہ ہمیشہ متحد رہنا۔ تم لوگ محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) پر ہمیشہ نظر رکھنا۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے بھائی کے خلاف بغاوت کرنا چاہے تو اسے اس بغاوت سے باز رکھنا۔"

"ہم یہاں فتنے کا قلع قمع کرنے اور باغیوں سے جنگ کرنے آئے تھے۔ تم اپنا کام ختم مت سمجھنا بلکہ لشکر کے ساتھ خراسان جانا اور فتنے کی جڑ کاٹنے اور باغیوں کو عبرتناک سزائیں دینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ میری وفات سے تم دلگیر نہ ہونا کیونکہ میرے

اجداد میں سے کسی نے بھی راحت و آرام سے جان نہیں دی۔"

اس کے بعد اُس نے بہت سا مال و اسباب اپنے خاص ساتھیوں اور خادموں میں ان کی گذشتہ خدمات کے صلے میں تقسیم کیا۔ اسی روز رات کو یہ جلیل القدر خلیفہ دنیاوی تکالیف اور رنج و کرب سے نجات پاکر اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

وفات کے بعد اس کے تین غلاموں، مسرور، حسین اور راشد نے اسے غسل دیا اور کفن پہنایا اور شہر طوس میں اسی قبر میں، جس کے بنوانے کا ہارون نے اپنی زندگی میں ہی حکم دیا تھا دفنا دیا۔ جنازے کی نماز اُس کے بیٹے صالح نے پڑھائی۔ مامون اس وقت حاضر نہیں تھا۔ وہ کچھ عرصہ پہلے خراسان کے دارالحکومت مرو چلا گیا تھا تاکہ وہاں لشکر کی رہائش اور اس کی رسد اور سامان خوراک وغیرہ کا انتظام کر سکے۔

امین کی خلافت

تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس فصل میں امین کی خلافت اور اس کے عبرت ناک انجام کے متعلق مختصراً عرض کیا جائے گا تاکہ قارئین اُن حوادث سے بھی باخبر ہو سکیں جو ہارون کی وفات کے بعد پیش آئے اور اس اندرونی فساد اور خانگی فتنے کے اسباب معلوم کر سکیں جس نے امین کی خلافت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

ہارون نے لوگوں سے امین کی اور اس کے بعد مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی اور باقاعدہ فرمان بھی لکھا تھا جس پر متعدد افسران فوج اور سلطنت کے معزز عہدہ داروں کے دستخط بھی بطور گواہ کر لئے تھے۔ بعد ازاں اس معاہدے کی نقلیں سلطنت کے تمام حصوں میں بھیج دی تھیں اور ایک نقل خانہ کعبہ میں بھی لٹکا دی تھی۔ غرضیکہ ہارون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کر لی تھی کہ اس کے بعد اس کے فرمان پر پوری طرح عمل ہو۔ جب ہارون نے طوس میں وفات پائی۔ اس وقت مامون خراسان میں تھا۔ اس کے ساتھ فوج کے بڑے بڑے افسر تھے اور اس کا زبردست مددگار فضل بن سہل بھی اسی کے ساتھ تھا۔ امین بغداد میں تھا اور اس کا پُرجوش حامی فضل بن ربیع جو رشید کا وزیر تھا، ہارون کے ساتھ طوس میں تھا۔

ہارون کی وفات کے بعد فضل بن ربیع نے تمام لشکر کو اکٹھا کیا اور اسے لے کر بغداد کی طرف چل پڑا۔ حالانکہ ہارون نے وصیت کر دی تھی کہ لشکر خراسان کی حفاظت کے لئے

مامون کے حوالے کر دیا جائے۔ ہارون کے بیٹے صالح نے ایک غلام کے ذریعے اپنے والد کی وفات کی خبر فوراً امین کو بھجوا دی۔ وہ غلام تیزی سے سفر کرتا ہوا بارہ روز میں بغداد پہنچ گیا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ خاندانِ برامکہ کی تباہی کا ذمہ دار فضل بن ربیع ہی تھا جو فطرتاً بڑا مفسدہ پرداز واقع ہوا تھا۔ یہی شخص امین اور مامون کی باہمی عداوت کا موجب بنا اور اسی شخص کی فتنہ پردازیوں سے وہ ہولناک جنگ وقوع میں آئی جس میں امین کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

جب ہارون طوس میں تھا تو اس نے لشکر کے سپہ سالاروں سے اپنے بیٹے مامون کے لئے دوبارہ بیعت لی تھی اور تمام افسروں اور کل لشکر کو اس بات پر گواہ بنایا تھا کہ اس کی وفات کے بعد تمام لشکر مامون کے حوالے کر دیا جائے گا اور لشکر کے ساتھ جو کچھ مال و متاع اور سامانِ جنگ ہے وہ بھی مامون کو دے دیا جائے گا۔ امین کو بھی یہ خبریں برابر پہنچتی رہتی تھیں، تاہم شروع میں اس کا ارادہ ان معاہدوں کو توڑنے کا نہ تھا جو اس نے اپنے باپ سے کئے تھے۔

جب ہارون کی وفات ہو گئی تو امین نے مامون کو خراسان خط لکھا جس میں اپنے والد کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں سے اس (امین) کی خلافت اور اپنی (مامون کی) اور قاسم مؤتمن کی ولی عہدی کی بیعت لے۔

اس کے علاوہ ایک خط اپنے بھائی صالح کو طوس لکھا جس میں اسے بھی حکم دیا کہ وہ تمام لشکر سے ان شرائط کے مطابق، جو ہارون نے مقرر کی تھیں، امین کی خلافت اور مامون اور قاسم کی ولی عہدی کی بیعت لے اور لشکر اور سامانِ جنگ کے ساتھ

مامون کے پاس پہنچ جائے۔ اسی خط میں اُس نے یہ بھی لکھا کہ تم فضل بن ربیع کے مشورہ کے بغیر کسی اہم کام میں ہاتھ نہ ڈالنا۔ اگر تم لشکر کو کچھ عطا یا دینا چاہو تو یہ کام فضل بن ربیع کے ذریعے سے ہی سرانجام دینا کیونکہ آج تک فضل ہی یہ سب کام کرتا چلا آیا ہے۔

جب امین کے خطوط طوس پہنچے تو لشکر کے افسروں، سلطنت کے عہدہ داروں اور ہارون کے بیٹوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ بجائے مامون کے پاس جانے کے واپس امین کے پاس پہنچنا چاہیئے۔ یہ رائے دینے میں فضل بن ربیع سب سے پیش پیش تھا اور اسی نے تمام لشکر کو بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فوج نے اپنے گھروں کو واپس جانے اور اپنے بیوی بچوں سے ملنے کی خوشی میں اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ان وعدوں کو پس پُشت ڈال دیا جو ہارون نے ان سے لئے تھے۔ خراسان میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی، وہ سب اس کو فرو کرنے کے لئے آئے تھے لیکن اُنھوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا۔

جب فضل بن ربیع امین کے پاس پہنچا تو اُس نے سلطنت کا سارا کاروبار فضل بن ربیع کے سپرد کر دیا اور خود لہو ولعب اور عیاشی میں ڈوب گیا۔ حالانکہ اس وقت کی سیاسی حالت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ سلطنت کے معاملات کی طرف نہایت ہوشیاری اور تدبر کے ساتھ توجہ کی جاتی۔

اس کے برخلاف مامون کے وزیر فضل بن سہل نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حسن سیرت اور نیکی اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کرے اور ہر قسم کے لہو ولعب سے پرہیز کرے تاکہ وہ

لوگوں کے دل اپنی طرف کھینچ سکے۔ خود مامون بھی نہایت عقلمند اور مدبر شخص تھا، سلطنت کے معاملات کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور لہو و لعب کے پاس بھی نہ پھٹکتا تھا۔ انہی صفات کی وجہ سے خراسان میں اس کے پاؤں اچھی طرح جم گئے۔ فوج کے تمام جرنیل، عہدے دار اور عامۃ الناس دل و جان سے اس کے ساتھ تھے۔

فضل بن ربیع نے مامون کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور ہارون کی وصیّت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے طوس سے فوجیں لے کر بجائے خراسان جانے کے بغداد چلا آیا تھا تو اُسے ڈر تھا کہ اگر مامون خلیفہ بن گیا تو وہ اس سے ضرور سخت انتقام لے گا اور وزارت کی ساری شان و شوکت اُس سے چھین جائے گی۔ اس لئے اُس نے امین کو مشورہ دیا کہ وہ مامون کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر دے۔ فضل کی اس رائے سے امین کے بعض دوسرے حاشیہ برداروں نے بھی اتفاق کیا۔ امین بے وقوف تو تھا ہی، ان لوگوں کی باتوں میں آ گیا۔ جب اس کا پتہ امین کے بعض عقلمند اور زیرک مصاحبوں کو لگا تو انھوں نے امین کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ ان لوگوں کا جو آپ کو اس قسم کے مشورے دے رہے ہیں کوئی بھروسہ نہیں، وقت پڑنے پر یہ سب لوگ بھاگ جائیں گے۔ اور خود آپ کی خلافت سے معزولی کے درپے ہو جائیں گے لیکن امین کی آنکھوں پر پردا پڑا ہوا تھا۔ اس نے ان عاقلانہ اور مفید مشوروں پر قطعاً کان نہ دھرا اور فضل بن ربیع کی رائے پر ہی عمل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

فضل کے مشورے سے اس نے مامون کو ایک خط لکھا جس میں اس سے بغداد آنے کی استدعا کی۔ مامون اس کے دھوکے میں نہ آیا اور معذوری کا اظہار کر دیا۔

امین نے ہمت نہ ہاری اور برابر اُسے خطوط بھیجتا رہا اور اپنے اخلاص کا بڑے شد و مد سے اظہار کرتا رہا۔ آخر مامون کچھ نرم پڑا اور اُس نے بغداد جانے کا ارادہ کر لیا لیکن اس کا وزیر فضل بن سہل آڑے آیا اور اُس نے بڑی سختی سے مامون کو ایسا کرنے سے روکا اور اسے صلاح دی کہ وہ خلافت کا دعویٰ کر دے۔ چنانچہ مامون نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں میں شدید عداوت پیدا ہو گئی۔ فضل بن سہل نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ لوگوں کو مامون کی خلافت قبول کرنے کے لیئے تیار کیا۔ خراسان کے ان تمام راستوں پر جو مغرب سے آتے تھے محافظ مقرر کر دیئے جو کسی مسافر یا تاجر کو بلا تفتیش گزرنے نہ دیتے تھے۔ اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ خراسان کی کوئی خبر بغداد پہنچنے نہ پائے اور نہ امین اور فضل بن ربیع کی کوئی سازش یہاں پھیل سکے۔ فضل بن ربیع نے چاہا کہ خراسان کے امراء کو مامون کے خلاف کر دے۔ اسی غرض کے لیئے اُس نے کئی خطوط اُنھیں لکھے لیکن حفاظتی تدابیر کی وجہ سے کوئی خط اور کوئی قاصد بھی خراسان نہ پہنچ سکا اور یہ تمام علاقہ پورے طور پر مامون کا وفادار رہا۔

امین نے بغداد میں خطبے میں سے مامون کا نام نکال دیا تھا اور اس کے طرفداروں کو قید کر لیا تھا، مامون نے بھی خراسان میں یہی کیا۔ اب دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں، لیکن جہاں مامون ہر کام انتہائی احتیاط اور غور و فکر سے کرتا تھا وہاں امین کا ہر عمل بے عقلی اور بے تدبیری پر مبنی ہوتا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مامون نے اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں کی جو امین کو کسی طرح شک میں ڈالنے والی ہوتی۔ شروع میں جو خطوط اس نے امین کو

بھیجے۔ ان میں اس نے امین کو نہایت تکریم اور تعظیم سے خطاب کیا۔ خطوط کے ساتھ وہ اپنے بھائی کو خراسان سے بیش قیمت تحائف بھی بھیجتا رہتا تھا۔ امین بھی طبیعت کے لحاظ سے بُرا نہ تھا۔ اس کا ارادہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرنے اور اس کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد بنانے کا نہ تھا۔ لیکن اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا اور آخرکار اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

امین نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مؤتمن کو اس ولایت سے معزول کر کے جس پر ہارون اسے مقرر کر گیا تھا بغداد بُلا لیا۔

جب مامون کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے فوراً یہ اندازہ لگا لیا کہ امین اسے بھی معزول کرنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لئے اس نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔ اب امین نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ خراسان میں اس کے بھائی کے مقرر کردہ عمال کا اس جھگڑے کے بارے میں کیا رویّہ ہے۔ چنانچہ اُس نے رے کے عامل عباس بن عبد اللہ بن مالک کو خط لکھا اور اس سے رے میں اُگنے والے کسی پودے کی فرمائش کی۔ اس سے اس کی غرض یہ معلوم کرنا تھی کہ آیا وہ اس کے احکام مان سکتا ہے یا نہیں۔ عباس نے اس کے حسب الطلب پودا بھیج دیا۔ مامون کو بھی اس واقعے کا پتہ چل گیا اور اس نے عباس کو اس کی ولایت سے معزول کر دیا۔

اس کے بعد امین نے مامون کے پاس تین اشخاص پر مشتمل ایک وفد عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ کی سرکردگی میں روانہ کیا تاکہ وہ ولی عہدی میں موسیٰ بن امین کی تقدیم پر راضی ہو جائے۔ مامون نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ فضل بن سہل، عباس

بن موسیٰ سے علیحدگی میں ملا اور اسے کثیر انعام و اکرام کی امیدیں دلا کر مامون کا طرفدار بنا لیا۔ چنانچہ وہ بغداد میں آنے کے بعد خفیہ طور پر یہاں کی خبریں مامون کو بھیجا کرتا تھا اور اسے مشورے بھی دیا کرتا تھا۔

جب مذکورہ وفد ناکام ہو کر بغداد واپس آیا تو فضل بن ربیع نے مامون کی معزولی پر اصرار کرنا شروع کیا۔ چنانچہ امین، مامون کی معزولی پر اور اس کے بجائے اپنے بیٹے موسیٰ کو نامزد کرنے پر راضی ہو گیا۔ فضل نے تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیا کہ منبروں پر خلیفہ کے بعد موسیٰ کا نام لیا جایا کرے۔ اور مامون اور موتمن کے نام خطبوں سے خارج کر دیئے جائیں۔ مکے میں بھی اسی قسم کا ایک فرمان بھیجا اور جس قاصد کے ہاتھ یہ فرمان روانہ کیا، اسے حکم دیا کہ ہارون نے خانہ کعبہ میں جو عہدنامہ لٹکایا تھا وہ اپنے ساتھ لیتا آئے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور عہدنامے کے بغداد پہنچنے پر امین نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ایک عرصے تک دونوں بھائیوں میں خط و کتابت ہوتی رہی لیکن سب بے نتیجہ رہی، کیونکہ دونوں بھائی اپنی اپنی ریاست پر ہی چلنا چاہتے تھے۔ اور دونوں کے وزیر بھی اپنے اپنے آقاؤں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ امین کا وزیر فضل بن ربیع مامون کا سخت دشمن تھا۔ اسے مامون کی خلافت کے ذکر سے ہی لرزہ آتا تھا۔ مامون کا وزیر فضل بن سہل تھا جس کی پوری کوششیں اس مقصد کے لئے وقف تھیں کہ خلافت مامون کو ملے اور بجائے بغداد کے "مرو" سلطنت عباسیہ کا دارالحکومت ہو، تاکہ خراسان پھر اپنی پہلی سی عظمت حاصل کرے۔

اب لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ فضل بن سہل نے ایک عظیم لشکر جمع کیا

اور اسے مامون کے غلام طاہر بن حسین خزاعی کی قیادت میں 'مرو' سے 'رے' روانہ کر دیا۔ طاہر نے رے پہنچ کر ہر طرف اپنے جاسوس پھیلا دئے جو اسے دشمنوں کی حرکات و سکنات سے برابر مطلع کرتے رہتے تھے۔

فضل بن ربیع نے عراقی فوج کی قیادت کے لئے علی بن عیسیٰ کو چنا۔ امین نے اسے جبل، نہاوند، ہمدان اور اصفہان کی ولایت سپرد کی اور اس کے لشکر کو بے شمار سامانِ جنگ دیا۔

اگر دیکھا جائے تو امین نے علی بن عیسیٰ کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اپنے بھائی مامون کی بہت بڑی خدمت سر انجام دی، کیونکہ اہلِ خراسان اب تک اپنے عامل علی بن عیسیٰ کے ان مظالم کو نہ بھولے تھے جو اس نے ہارون کے عہد میں ان پر ڈھائے تھے۔ جب انھوں نے سنا کہ مامون کا مقابلہ کرنے کے لئے وہی بدنام شخص آ رہا ہے تو ان کی غیرت بھڑک اٹھی اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ وہ اب کسی قیمت پر بھی علی بن عیسیٰ کی ماتحتی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم شخص کے بدلے میں انھیں مامون جیسا عادل، نرم دل اور نیک سیرت حاکم عنایت فرما دیا تھا۔

علی بن عیسیٰ خراسان روانہ ہونے سے پہلے امین کی والدہ زبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زبیدہ نے اس سے کہا:

" اے علی! اگرچہ امیر المومنین (امین) میرا لختِ جگر ہے اور مجھے اس سے انتہا محبت ہے تاہم مجھے عبد اللہ (مامون) سے بھی کچھ کم محبت نہیں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ اس لئے جب تم اس پر قابو

پالو تو اس سے نہایت نرمی کا سلوک کرنا اور اُس کے حقوق کا پُوری طرح خیال رکھنا
اگر وہ کوئی بات کہے تو تم اُلٹ کر جواب نہ دینا۔ کیونکہ تمہارا اور اس کا کوئی مقابلہ
نہیں ہے۔ نہ اس سے غلاموں کا سا برتاؤ نہ کرنا۔ قید میں اس کے ساتھ سختی سے
پیش نہ آنا۔ کسی لونڈی یا خادمہ کو اس کی خدمت سے نہ روکنا۔ سفر میں اس کے آرام و
آسائش کا پُورا خیال رکھنا۔ اس کے سوار ہونے سے پہلے سوار نہ ہونا۔ جب وہ
سوار ہو جائے تو خود اس کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر تھوڑی دور تک چلنا اگر وہ
تمھیں بُرا بھلا کہے تو اُسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا۔"

یہ نصیحت کرنے کے بعد زبیدہ نے اسے چاندی کی ایک زنجیر دی اور
کہا:

"جب تم اس پر فتح پا لو تو اسے اس زنجیر میں مقید کر کے لانا۔"

علی بن عیسیٰ نے جواب دیا" آپ نے مجھے جو حکم دیا ہے میں اسی کے
مطابق عمل کروں گا۔"

علی بن عیسیٰ چالیس ہزار فوج لے کر بغداد سے نکلا۔ اس کی فوج کے پاس
کثیر سامانِ جنگ، اور وافر سامان رسد تھا۔ امین بھی اس کی مشایعت کے لئے کچھ
دُور تک گیا۔

یہ لشکر منزلیں مارتا رے کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں مامون کا سپہ سالار طاہر
بن حسین اپنا لشکر لیئے ہوئے مقیم تھا۔ علی بن عیسیٰ کو خیال تھا کہ طاہر اس کے مقابلے میں
کسی طرح بھی ٹھہر نہیں سکے گا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا:

"طاہر کی حیثیت کیا ہے؟ وہ میری شاخوں کی ایک ٹہنی ہے اور میری آگ کا

ایک شرارہ۔ اسے کیا خبر جنگ کیا ہوتی ہے۔ کہاں غلام کہاں لشکر کشی ؟ وہ میرے مقابلے سے اس طرح بھاگے گا جس طرح لومڑی شیر سے بھاگتی ہے۔"

اس کے بیٹے نے اُسے مشورہ دیا کہ ہمیں ہراول دستے ادھر اُدھر بھیجنے چاہئیں طاہر کے لشکر میں جاسوس مقرر کر دینے چاہئیں اور اپنے لشکر کے قیام کے لئے کوئی مناسب موقعہ تلاش کرنا چاہیئے۔

علی بن علیسیٰ ہنسا اور کہنے لگا" طاہر کے لیئے ان حیلوں اور تیاریوں کی کیا ضرورت ہے ؟ وہ یا تو رے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے گا اور محاصرے سے تنگ آکر اہل شہر خود اس کا خاتمہ کر دیں گے یا وہ بھاگ جائے گا اور ہمیں لڑنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔"

جب علی بن علیسیٰ رے کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اُسے پتہ چلا کہ طاہر نے جنگ کے لیئے کس قدر انتظامات کیئے ہوئے ہیں۔ اس نے عام راستہ چھوڑ کر رے کے نواح میں اپنا پڑاؤ ڈالا اور جنگ کے انتظامات کرنے لگا۔

طاہر کے ساتھ صرف چار ہزار سوار تھے جب اُس نے علی بن علیسیٰ کے چالیس ہزار کے لشکر کو دیکھا تو اس نے سوچا کہ اس وقت اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنے کے علاوہ علی کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی اور کوئی سبیل نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے تمام سپاہیوں کو جمع کیا۔ انھیں چند ہدایتیں دیں اور پھر یکدم انتہائی بہادری کے ساتھ صرف سات سو سوار اپنے ہمراہ لے کر علی بن علیسیٰ کی فوج کے قلب میں گھس گیا اور اپنے قلیل لشکر کے ساتھ دشمن کا اس بے جگری سے مقابلہ کیا کہ اسے پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ علی بن علیسیٰ قتل ہوا۔ طاہر نے اس کا سر مامون کے پاس روانہ کیا

اور ایک خط میں فتح کی خوشخبری ان الفاظ میں دی :

"میں امیر المومنین کو یہ خط اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ علی بن عیسٰی کا سر میرے سامنے پڑا ہوا ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے، اور اس کا لشکر میرے ماتحت ہے۔"

جس قاصد کے ہاتھ اُس نے یہ خط اور سر بھیجا وہ مامون کے پاس تین دن میں پہنچ گیا حالانکہ رے اور مرو کے درمیان ڈھائی سو فرسخ کا فاصلہ ہے۔

جب امین کو علی بن عیسٰی کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس وقت مچھلیاں پکڑ رہا تھا اُس نے قاصد سے کہا :

"ابھی ٹھہرو۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ کوثر نے تو دو مچھلیاں پکڑ لی ہیں اور میں نے ابھی تک ایک بھی نہیں پکڑی۔"

امین کے آدمیوں اور حاشیہ برداروں کو اس بات کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ خراسان میں علی بن عیسٰی کے ساتھ یہ گزرے گی اور اس کا تمام لشکر مامون کے قبضہ میں آجائے گا۔ یہ خبر سُن کر ان کے اوسان جاتے رہے۔ تاہم فضل بن ربیع نے عبدالرحمٰن بن جبلہ انباری کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج دوبارہ مامون کے مقابلے کے لئے روانہ کی۔ اس لشکر کو ہر قسم کے جنگی ساز و سامان سے مسلح کیا گیا تھا اور بڑے بڑے بہادر اور جری اس میں شامل تھے۔ فضل بن ربیع نے عبدالرحمٰن کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ لشکر کی حفاظت کا اچھی طرح انتظام کرے اور علی بن عیسٰی نے جس لاپروائی اور غرور کا مظاہرہ کیا تھا اس سے دُور رہے۔

عبدالرحمٰن لشکر لے کر ہمدان پہنچا وہاں کے قلعے کو ٹھیک ٹھاک کرایا۔ فصیلیں

اور دروازے درست کرائے۔ قلعے کی کمزور جگہوں کی مرمت کروائی اور اس میں جگہ جگہ آلاتِ حرب نصب کر دیئے۔ کئی ماہ کی غذا بھی قلعے میں اکٹھی کر لی۔ اس طرح طاہر سے لڑنے کے لئے پوری تیاری کر لی۔

جب طاہر کو عبدالرحمٰن کے آنے کی خبر ملی تو وہ بھی اپنی فوج لے کر ہمدان پہنچا۔ عبدالرحمٰن اپنی منظم فوج لے کر طاہر کے مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔ دونوں فریقوں میں سخت جنگ ہوئی لیکن عبدالرحمٰن کو شکست کھانی پڑی اور وہ اپنی شکست خوردہ فوج لے کر قلعے میں داخل ہو گیا اور ایک لمبے عرصے تک اسی میں رہا۔ جب اس کے لشکر کی حالت ٹھیک ہو گئی اور زخمیوں کے زخم بھر گئے تو دوبارہ مقابلے کے لئے نکلا۔ لیکن اس بار بھی شکست کھائی اور قلعہ بند ہو گیا۔ اب کے طاہر نے قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا اور باہر سے کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہ پہنچنے دی۔ جب عبدالرحمٰن کی فوج کے پاس کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور وہ بھوکوں مرنے لگی تو عبدالرحمٰن نے مجبور ہو کر طاہر سے اپنے اور اپنی فوج کے لئے امان طلب کی جو طاہر نے قبول کر لی۔

جب ان واقعات کی خبر دارالخلافے میں پہنچی تو ایک اضطراب برپا ہو گیا۔ امین اور فضل بن ربیع نے محسوس کر لیا کہ اب ان کا غلبہ اور اقتدار چند روز کا مہمان ہے۔

ادھر مامون کی ہمت ان پے در پے فتوحات سے بے حد بڑھ گئی اور اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ ایک حصے کا سالار ہرثمہ بن اعین کو بنایا جسے ہارون نے خراسان کی ولایت دے کر علی بن عیسیٰ اور رافع کے مقابلے کے لئے بھیجا تھا اور دوسرے حصے کی قیادت طاہر بن حسین کے سپرد کی اور دونوں کو حکم دیا

کہ وہ علیحدہ علیحدہ راستوں سے بغداد پر حملہ آور ہوں۔ چنانچہ طاہر پہلے فارس گیا اور سارے علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔ فارس پر قبضہ کرنے سے اس کی طاقت اور قوت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ اس کے بعد وہ اہواز اور بصرے کی طرف بڑھا۔ راستے میں امین کے جتنے عامل تھے وہ یا تو بھاگ گئے یا اُنھوں نے مامون کی اطاعت قبول کرلی۔ امیر بصرہ منصور بن مہدی نے بھی مامون کی بیعت کرلی۔ یہاں سے فارغ ہو کر طاہر مدائن پہنچا اور بغیر لڑے بھڑے اس پر قابض ہوگیا۔

اسی اثنا میں مکے اور مدینے میں امین کے عاملوں نے بھی مامون کی بیعت کرلی۔ اس سے مامون کی قوت میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ طاہر اور ہرثمہ کی فوجیں بڑے اطمینان سے مختلف راستوں سے بغداد کی طرف بڑھیں اور تین اطراف سے اس کا محاصرہ کرلیا۔ اب امین کے لئے کوئی جائے فرار نہ رہی۔ محاصرہ شدت اختیار کرگیا۔ امین کے لشکر کے پاس جو کچھ کھانے پینے کو تھا وہ سب ختم ہوگیا۔ اس پر امین نے مجبور ہو کر خزانے کا آرائشی سازوسامان بیچنے کا حکم دیا۔ سونے چاندی کے برتنوں کو پگھلا کر دینار اور درہم ڈھالے تاکہ ان کے ذریعے سے فوج کی خوراک کا کچھ انتظام ہوسکے۔

لیکن محاصرے کی سختیاں بڑھتی گئیں آخر امین کے تمام وسائل دفاع ختم ہوگئے اور اسے یقین ہوگیا کہ اگر چند روز اور مزاحمت کی گئی تو اُس کی اور تمام فوج کی تباہی یقینی ہے۔ اس نے لشکر کے سرداروں سے مشورہ کیا۔ اُنھوں نے اسے یہ صلاح دی کہ وہ ہرثمہ بن اعین سے اپنی جان کی امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے۔ امین راضی ہوگیا اور ہرثمہ سے امان طلب کی جو اُس نے قبول کرلی۔

جب طاہر کو اس کا علم ہؤا تو اُس نے امان مسترد کر دی اور مطالبہ کیا کہ امین اس سے امان طلب کرے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرے۔

امین اپنے آپ کو طاہر کے سپرد کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس کے درباریوں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ خفیہ طور پر اپنے آپ کو ہرثمہ کے سپرد کر دے اور طاہر کو خاتم، چھڑی اور چادر، جو خلافت کا مظہر تھے، بھیج دے۔ ہرثمہ اس پر بھی راضی ہو گیا۔ طاہر کو بھی اس کا پتہ چل گیا۔ وہ چند آدمیوں کو لے کر محل کے قریب پہنچا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب امین محل سے باہر نکلا تو ہرثمہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے اُسے ایک کشتی میں بٹھایا۔ جسے وہ اسی غرض کے لیے لایا تھا۔ کشتی ابھی تھوڑی دُور ہی گئی تھی کہ طاہر کے آدمی باہر نکل آئے اور اُنھوں نے کشتی پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ کشتی اُلٹ گئی اور ہرثمہ اور امین پانی میں گر گئے۔ ہرثمہ کو تو اس کے آدمیوں نے باہر نکال لیا، امین پانی میں تیرنے لگا لیکن طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ لیا اور طاہر کے سامنے پیش کر دیا جس نے اس کو قتل کرا دیا۔ یہ دل دوز واقعہ ۲۵۔ محرم ۱۹۸ھ کی رات کو پیش آیا۔

صبح کو طاہر نے مامون کو خط لکھا جس میں بغداد کی پوری کیفیت سے اس کو مطلع کیا اور وہ اسباب بھی بیان کئے جن کی بنا پر اسے امین کے قتل کا حکم صادر کرنا پڑا۔ اس کے بعد وہ بغداد میں داخل ہؤا اور اس کے تمام باشندوں کو امن کا وعدہ دے کر اطمینان دلایا۔ جس روز طاہر بغداد میں داخل ہؤا وہ جمعہ کا دن تھا۔ طاہر نے جامع مسجد میں آ کر نماز پڑھائی۔ خطبے میں لوگوں کو تاکید کی کہ وہ مامون کی دل سے اطاعت کریں اور فتنہ و فساد اور سرکشی سے دُور رہیں۔ نماز پڑھانے کے بعد وہ اپنے لشکر میں

چلا گیا۔ اس طرح امین کی خلافت کا خاتمہ اور مامون کی خلافت کا آغاز ہوا۔

ہم نے ان واقعات کی تفصیل اس لئے بیان کی ہے کہ ہارون کی سیاست اور اس کے عہد سے ان واقعات کا گہرا تعلق ہے اور اکثر مؤرخین ان افسوس ناک حوادث کی ذمّہ داری سب سے پہلے ہارون پر اور اس کے بعد اس کے وزیر فضل بن ربیع پر ڈالتے ہیں۔

ان خون ریزیوں اور فتنہ فساد کی ذمّہ داری ہارون الرشید پر اس لئے ہے کہ اس نے پہلے امین کو ولی عہد بنایا۔ حالانکہ مامون اپنے علم، فضل، تجربے، شعور اور عمر کے لحاظ سے امین پر سبقت رکھتا تھا۔ امین کو اس کے علاوہ اور کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی کہ وہ ملکہ زبیدہ کا بیٹا تھا۔ لیکن عقلاء کی نظروں میں یہ امر ترجیح کا سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر یہ امر ترجیح کا سبب ہو سکتا تھا تو صرف خواہش پرستوں اور نادانوں کی نظروں میں۔

پھر جب ہارون کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے اس کا تدارک کرنا چاہا۔ لیکن جو کچھ کیا وہ پہلے اقدام سے بھی بدتر تھا، وہ یہ کہ مامون کو امین کے بعد ولی عہد کر دیا۔ اور اس کو ہر قسم کے امتیازات دے کر خراسان اور رے کا مستقل فرمانروا بنا دیا، جس کا امین سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔

یہ بات یقینی ہے کہ امتیازات جتنے زیادہ ہوں گے مشکلات اور فتنہ وفساد کے دروازے اتنے ہی زیادہ کھلیں گے۔ امین اور مامون اگرچہ بھائی بھائی تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کے حریف اور مخالف تھے۔ امین چاہتا تھا کہ وہ خلافت پر پورے طور سے حاوی ہو اور مامون چاہتا تھا کہ وہ اپنے امتیازات سے کلی طور پر

متمتع ہو۔ دونوں کے پاس لشکر بھی موجود تھے جنھیں وہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق استعمال کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ خیال نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ہارون کی وفات کے بعد ان دونوں بھائیوں کے دلوں میں صفائی رہے گی۔

پھر ہارون نے ولی عہدی کے معاملے میں ان دونوں پر ہی اکتفا نہیں کی، بلکہ تیسرے بھائی کو بھی شریک کر دیا اور اس کو جزیرہ اور آرمینیہ میں وہی حقوق عطا کئے جو اُس نے مامون کو خراسان میں کئے تھے۔ اس بات نے بھی امین کو اپنا عہد توڑنے کی جرأت دلائی کیونکہ اس نے دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کٹے ہوئے ہیں اور اسلامی مملکت کے دو عظیم الشان حصّے اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہیں۔

فضل بن ربیع کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی نے ہارون کے زمانے میں برامکہ کی شکایتیں کر کے انھیں مٹایا تھا اور اسی نے امین کو نقضِ عہد کی جرأت دلا کر اسے تباہ و برباد کرایا۔ حسنِ سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے بدطینت شخص کو کسی صورت بھی وزارت کی کنجیاں سپرد نہ کی جاتیں لیکن تقدیر کے نوشتے پورے ہونے تھے اور کوئی طاقت انھیں پورا ہونے سے نہ روک سکی۔ وکان امر اللہ مقضیا۔

ہارون الرشید کے اخلاق وعادات

ہارون الرشید جہاں اپنے وقت کا عظیم الشان سیاسی حکمران تھا وہاں خلیفہ اور محافظ دین بھی تھا۔ جوانی کے زمانے میں تو اسے مذہب سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ وہ لہو ولعب اور راگ رنگ کا بہت شائق تھا۔ لیکن عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ وہ دینی لحاظ سے بھی کامل ہونے لگا۔ اور بڑا دین دار اور فرائض شرعیہ کا پابند ہو گیا کبھی نماز قضا نہ کرتا تھا اور لڑائی میں مصروف نہ ہونے کی صورت میں کبھی حج سے غیر حاضر نہ ہوتا تھا۔ ایک دن اس کے پاس اس کا ایک مسخرا ندیم ابن ابی مریم مدنی بیٹھا تھا کہ اس نے نماز شروع کر دی اور نماز میں یہ آیت پڑھی "ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون۔" (مجھے کیا ہو گیا ہے میں کیوں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے)

ابن مریم یہ سُن کر کہنے لگا:

لا ادری واللہ (خدا کی قسم میں نہیں جانتا)

ہارون نماز میں اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے بڑے غصے سے کہا:

"اے ابن مریم! کیا تم نماز میں ایسی باتیں کرتے ہو؟ قرآن اور دین کی باتوں

میں ہنسی کی کوئی گنجائش نہیں۔"

وہ اکثر علماء کے مواعظ سنا کرتا تھا۔ وعظ و نصیحت کا اس کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا۔ دورانِ وعظ میں اکثر اس کے آنسو نکل آتے تھے۔

ایک مرتبہ مشہور واعظ ابن سماک اس کے پاس آئے۔ اس نے ان سے کہا: "مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔" اس پر وہ کہنے لگے:

"اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے اور اچھی طرح جان لیجئے کہ آپ کو کل اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس روز آپ کے دو ہی ٹھکانے ہوں گے۔ تیسرا کوئی نہیں ہوگا یا جنت یا دوزخ۔"

ہارون یہ سن کر بہت رویا، یہاں تک کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ہارون کا وزیر فضل بن ربیع اسے روتا دیکھ کر ابنِ سماک سے مخاطب ہوا:

"سبحان اللہ! کیا کسی کے دل میں اس بات کا شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پوری نگہداشت کرتے ہیں اور اس کے بندوں سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، پھر آپ کے جنت میں داخل ہونے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟"

ابن سماک نے فضل کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ اس کی طرف رُخ کیا بلکہ ہارون سے کہنے لگے:

"اے امیر المومنین! خدا کی قسم یہ (فضل بن ربیع) اس روز نہ آپ کے ساتھ

ہوگا اور نہ آپ کے کسی کام آسکے گا۔ اس لئے آپ اللہ سے ڈریں اور اپنے آپ پر نظر ڈال کر اپنے نفس کی اصلاح کریں۔"

ہارون یہ سُن کر اور بھی شدت سے رونے لگا۔ فضل بن ربیع شرمندہ ہوکر رہ گیا اور پھر مُنہ سے ایک حرف بھی نہ نکالا۔

ہارون اپنے دادا منصور کے قدم بہ قدم چلتا تھا۔ کوئی حاجت مند انعام کے بغیر اس کے پاس سے نہ جا سکتا تھا اور نہ کوئی مخلص عامل اپنی کارگزاریوں کے صلے سے محروم رہتا تھا۔ وہ شعر اور شعراء کو بہت پسند کرتا تھا۔ اہل ادب اور فقہاء کا بڑا گرویدہ تھا اور ریاکاری کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا:

"ریاکاری کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ریاکار آدمی نہ دنیا میں کسی قسم کا فائدہ حاصل کرتا ہے اور نہ آخرت میں کسی ثواب کا حق دار ہوگا۔"

وہ بڑا شجاع اور بہادر تھا۔ جنگ کے موقعوں پر لشکروں کی قیادت خود کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی اس کے عہد میں دُنیا کے اتنے وسیع رقبے پر اس کا قبضہ نہ رہتا۔ لیکن ساتھ ہی اس میں غصہ بھی بلا کا تھا۔ پھر ایک عیب اس میں یہ تھا کہ وہ انتہا درجے کا وہمی تھا۔ چغل خوروں کی باتیں غور سے سنتا تھا اور ان پر فوراً یقین کر لیتا تھا۔ اگر اسے سلطنت کے کسی عہدے دار کے خلاف جھوٹی سچی کوئی شکایت پہنچتی تو اس کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔ اس وقت کوئی شخص اس سے بات کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر دشمن اس کے قابو آجاتا تو اسے عبرت ناک سزائیں دیے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی دشمن کو معاف کیا ہو۔

ہارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نبیذ کی قسم کی ایک شراب پیتا تھا جسے فقہائے عراق نے حلال قرار دے دیا تھا - وہ راگ کا بہت شائق تھا اور اس کے لئے بڑی بڑی رقمیں لٹا دیتا تھا - اس کے زمانے میں بغداد میں موسیقی کے فن نے بڑی ترقی پائی -

بغداد میں اگر کوئی امیر یا وزیر یا دربار کا کوئی معزز فرد راگ رنگ کی کوئی محفل منعقد کرنا چاہتا تو وہ اس کی تیاری کے لئے اپنے منتظم کو حکم دیتا تھا جو عمدہ عمدہ کھانے پکواتا اور مغنیوں، ستار بجانے والوں اور ناچنے والی لونڈیوں کا انتظام کرتا تھا - شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا تھا - جب یہ تمام انتظام مکمل ہو جاتا تو صاحبِ مجلس اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاتا - تمام لوگ اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر ایک خاص لباس پہن لیتے جو "مجالس کا لباس" کہلاتا تھا - یہ لباس سرخ، زرد اور سبز رنگ کے کپڑوں پر مشتمل اور بہت قیمتی اور باریک ہوتا تھا -

اس کے بعد گھر کا منتظم انھیں ایک بڑے ہال کمرے میں لاتا جہاں بہت عمدہ فرش بچھا ہوتا تھا - درمیان میں آبنوس کی لکڑی کا ایک چبوترہ ہوتا جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھا دی جاتی تھیں - چبوترے پر ریشم کا ایک دسترخوان بچھا ہوتا تھا -

جب تمام اہلِ مجلس اکٹھے ہو جاتے اور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تو ملازم بلوری صراحیاں لاتے، جن میں نبیذ ہوتی تھی - دسترخوان پر مختلف شکلوں اور رنگوں کے جام بھی موجود ہوتے جن میں نبیذ انڈیل کر پی جاتی تھی - مختلف میووں اور ٹھنڈے گوشت کی رکابیاں بھی موجود ہوتی تھیں - عطریات سے تمام فضا مہکی ہوتی تھی، کھانے پینے کے دوران میں مختلف قسم کی بحثیں ہوتی رہتیں - کھانے کے بعد راگ رنگ کی

محفل شروع ہو جاتی تھی۔

جب خلیفہ شکار کے لیے جانا چاہتا تو اپنے ارادے سے اپنے حاجب کو مطلع کرتا تھا۔ حاجب ان تمام لوگوں کو، جن سے شکار میں مدد مل سکتی اکٹھا کرتا تھا بازوں اور کتوں کا انتظام کرتا تھا، محل کے ملازموں کو تیار کرتا تھا، جب تمام تیاری مکمل ہو جاتی تو خلیفہ کو اطلاع دیتا تھا۔ خلیفہ تمام لوگوں کو لے کر بغداد سے باہر نکلتا اور 'دجیل' پہنچتا تھا۔

'دجیل' کا علاقہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض حصوں کو ایک مضبوط دیوار نے گھیرا ہوا تھا، جو نصف دائرے کی شکل میں بنی ہوئی تھی۔ تمام لوگ جو خلیفہ کے ساتھ آتے، جنگل کے چاروں طرف پھیل جاتے اور جن جانوروں کا شکار کرنا ہوتا ان کو اپنے گھوڑوں اور کتوں کی مدد سے اس دیوار کی طرف بھگاتے اور دائرہ تنگ کرتے جاتے تھے۔ جانوروں کو اور کسی جانب راہِ فرار نہیں ملتی تھی تو انھیں مجبوراً اس دیوار کی طرف ہی بھاگنا پڑتا تھا۔ جب وہ اس احاطے میں پہنچ جاتے تو ان کا مکمل محاصرہ کر لیا جاتا اور خلیفہ کو اطلاع دی جاتی۔ خلیفہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آتا جتنے جانور چاہتا شکار کر لیتا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔

جتنی دیر تک خلیفہ کے خادم شکار ہنکانے میں لگے رہتے تھے اتنی دیر خلیفہ بغداد کے نواحی علاقوں کا چکر لگاتا رہتا اور قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا تھا۔ جب اسے اطلاع ملتی کہ شکار کو گھیر لیا گیا ہے تو وہ مقررہ جگہ پر آتا اور شکار کرتا۔

جب کسی پرندے کا شکار کرنا ہوتا، تو وہ لوگ جن کے پاس باز اور شکرے ہوتے

اپنے بازوں اور شکروں کو ہوا میں اُڑا دیتے، وہ شکار پر جھپٹتے اور آنِ واحد میں اسے زمین پر لے آتے تھے۔

سیر و شکار کے تذکرے کے بعد اب خلیفہ کے باغ کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے جو اپنی خوبصورتی اور ترتیب میں اپنی نظیر آپ تھا۔ خلیفہ اکثر اس میں سیر کے لئے جایا کرتا تھا۔ باغ کی کیاریوں میں سینکڑوں قسم کے خوش نما پھول کھلے رہتے تھے۔ مختلف قسم کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ یہ درخت ہندوستان، خراسان اور ترکستان تک سے منگوا کر لگائے گئے تھے۔ جا بجا خوبصورت جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں جنھیں قینچی سے کاٹ کر حیوانات کی شکل دی ہوئی تھی۔ بعض جھاڑیاں مور کی شکل کی تھیں، بعض دوسرے خوبصورت پرندوں کی شکل کی، بعض کی شکل سانپوں جیسی تھی اور بعض کی وحشی جانوروں، شیر اور چیتے جیسی۔

کیاریوں کے درمیان حوض بنے ہوئے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا۔ ان حوضوں میں خوش نما رنگ کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں۔ باغ کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے رنگین پتھروں کو جوڑ کر مختلف جانوروں اور پھولوں کی نہایت خوش نما تصاویر بنائی گئی تھیں جو پچی کاری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ ان کاموں کے لئے فارس، روم اور ہندوستان سے کاریگر منگائے گئے تھے۔

خلیفہ اپنے محل میں اکثر مجالس منعقد کیا کرتا تھا جن میں امرائے سلطنت، مغنّی اور شعراء جمع ہوا کرتے تھے۔ ہادی اور ہارون اپنی ولی عہدی کے زمانے ہی سے اس قسم کی مجالس کے بے حد شوقین تھے، لیکن ان کے والد خلیفہ مہدی کو ان مجالس سے سخت نفرت تھی۔ ابراہیم موصلی، جو ہارون الرشید کے عہد کا مشہور مغنّی تھا، بیان کرتا

ہے کہ مہدی شراب بالکل نہیں پیتا تھا۔ اُس نے مجھے اس شرط پر ملازم رکھنے کا وعدہ کیا کہ میں شراب چھوڑ دوں، لیکن میں نے ایسا کرنے سے معذوری ظاہر کی اور چند روز دربار میں نہ آیا۔ ایک روز جب میں دربار میں آیا تو شراب پیئے ہوئے تھا۔ مہدی کو جب معلوم ہوا کہ میں نے شراب پی رکھی ہے تو وہ سخت ناراض ہوا۔ سر دربار مجھے پٹوایا اور مجھے قید کر دیا۔ میں نے قید خانے میں کتابت اور قرأۃ سیکھی۔ ایک روز مہدی نے مجھے قید خانے سے اپنے حضور طلب کیا اور مجھے بر سرِ عام شراب پینے اور گانے بجانے پر پھر بُرا بھلا کہا۔ میں نے عرض کیا:

"امیر المومنین! گانے بجانے کا فن میں نے اپنی روزی کمانے کے لئے سیکھا ہے اور اس کے لئے شراب پینا ضروری ہے۔ اگر میں گانا بجانا اور شراب پینا ترک کر دوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

مہدی یہ سُن کر بہت غضب ناک ہوا۔ مجھے قید سے تو رہا کر دیا لیکن یہ حکم دیا کہ میں ہادی اور ہارون کے پاس کبھی نہ جاؤں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تم کبھی ان دونوں کے پاس گئے تو میں سخت سزا دوں گا۔

ایک روز مہدی کو پتہ چلا کہ میں اس کے لڑکوں کے پاس گیا تھا اور ان دونوں کے ساتھ شراب بھی پی تھی۔ یہ سُن کر مہدی کے طیش کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے مجھے بلا کر تین سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور دوبارہ قید کر دیا۔ جب میں نے بڑی منت سماجت کی تو سخت قسمیں لے کر کہ میں آئندہ کبھی ہادی اور ہارون کے پاس نہ جاؤں گا مجھے چھوڑا۔

جب ہادی خلیفہ ہوا تو میں قسم کے مطابق اس کے پاس نہ گیا اور ادھر اُدھر

چھپا رہا۔ ہادی کو میرے بغیر چین نہ آتا تھا۔ اس نے میرا کھوج لگانے کے لئے آدمی بھیجے۔ آخر انھوں نے مجھے ڈھونڈ لیا اور خلیفہ کے دربار میں لے گئے۔ جب دربار میں پہنچا تو خلیفہ کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

یا ابن خیر الملوک لا تترکنی غرضا للعدو یرمی حیالی

فلقد فی هواک فارقت اهلی ثم عرضت مهجتی للزوال

ولقد عفت فی هواک حیاتی

وتغربت بین اهلی ومالی

(اے بہترین خلفاء کے بیٹے! مجھے دشمنوں کا نشانہ بنانے کے لئے نہ چھوڑ میں نے تیری محبت میں اپنے اہل وعیال کو چھوڑنا گوارا کر لیا، اس کے بعد اپنی روح بھی تیرے لئے پیش کر دی۔ میں نے تیری محبت میں اپنی زندگی تباہ کر لی اور مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی)

ہادی مجھ سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور مجھے میری گذشتہ تکلیف کے بدلے میں، جو مجھے مہدی کے زمانے میں پہنچی تھیں، کثیر انعام واکرام دینے کا حکم دیا اور اپنے ندیموں میں شامل کر لیا۔

ہارون الرشید بھی ہادی کی طرح عیش ونشاط کی محفلوں کا بے حد شائق تھا اور اس غرض کے لئے اس نے اپنے اردگرد مغنیوں اور شعراء کی ایک بڑی جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد اس نے مشہور شاعر ابو العتاہیہ کو بلایا اور اس سے چند عشقیہ اشعار کہنے کی فرمائش کی۔ ابوالعتاہیہ نے کہا "میں ہادی کے مرنے کے بعد اب کبھی شعر نہیں کہوں گا۔" ہارون نے ناراض ہو کر اسے قید کر دیا۔

اس کے بعد ابراہیم موصلی کو گانے کا حکم دیا، اس نے بھی ابوالعتاہیہ کی طرح گانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ہادی کے مرنے کے بعد نہیں گاؤں گا۔ ہارون نے اسے بھی قید کر دیا۔ جب ہارون رقہ گیا تو ان دونوں کو ساتھ لے گیا، رقہ میں ایک کنواں کھدوایا اس کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کروائی اور ابوالعتاہیہ اور ابراہیم کو اس کنوئیں میں قید کر دیا، دونوں کے درمیان دیوار حائل تھی۔ اس کنوئیں میں قید کرتے ہوئے ہارون نے کہا "تم دونوں اس وقت تک اس میں رہو گے جب تک شعر کہنے اور گانے کی حامی نہ بھرو گے۔" چنانچہ مدت تک وہ دونوں اس کنوئیں میں قید رہے

ایک دن ہارون کے سامنے ایک کنیز بڑی دلربا آواز میں ایک شعر گا رہی تھی۔ ہارون کو اس کی آواز بہت بھلی لگی اس نے اپنے وزیر جعفر سے کہا کہ اگر اس کے ساتھ ہی چند شعر اور ہوتے تو لطف دوبالا ہو جاتا۔ جعفر نے کہا "اگر آپ ابوالعتاہیہ سے کہیں تو وہ شاعری میں مہارت کی وجہ سے اسی شعر کے ہم وزن کئی اور شعر کہہ کر سنا دے گا۔"

ہارون نے کہا "ایسا نہیں ہو سکتا وہ ہرگز ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گا کیونکہ وہ قید میں ہے اور ہم مزے اڑا رہے ہیں۔" لیکن جعفر نے اپنی بات پر اصرار کیا اور اسی وقت ابوالعتاہیہ کو ایک خط لکھا جس میں چند شعر کہنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ ابوالعتاہیہ نے جواب میں شعر کہنے سے معذوری کا اظہار کر دیا

جب ابوالعتاہیہ کا جواب ہارون کے پاس پہنچا تو اس نے جعفر سے کہا:
"میں نہ کہتا تھا کہ وہ ہماری فرمائش پوری نہیں کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ جعفر نے عرض کیا "آپ یوں کریں کہ اسے قید سے آزاد کریں اور پھر اس سے فرمائش کریں تو

لیکن ہارون نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ شعر نہ کہے گا۔ میں اسے قید میں سے نہ نکالوں گا۔"

جب ابوالعتاہیہ اور ابراہیم موصلی کو قید ہوئے عرصہ گزر گیا تو ایک روز ابوالعتاہیہ نے ابراہیم سے کہا، "آخر خلیفہ سے کب تک جھگڑا چلے گا؟ میرے خیال میں تو اب اس جھگڑے کو ختم کر دینا چاہیئے۔ میں شعر کہتا ہوں اور تم انھیں گاؤ۔" چنانچہ ابوالعتاہیہ نے خلیفہ کی شان میں چند اشعار کہے اور ابراہیم نے انھیں گانا شروع کیا جب خلیفہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے دونوں کو قید سے نکلوا کر اپنے حضور طلب کیا، خلیفہ کے دربار میں ابوالعتاہیہ نے اپنے کہے ہوئے اشعار سنائے اور ابراہیم نے خاص لَے میں انھیں گایا۔ خلیفہ نے دونوں کو ایک ایک لاکھ درہم اور ایک سو خلعت مرحمت کئے۔ اس کے بعد وہ مستقل طور پر خلیفہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔

اگرچہ ہارون الرشید راگ رنگ کا بہت شائق تھا، لیکن اگر محفل کے دوران میں کسی جانب سے کوئی نصیحت ہارون کے کان میں پڑ جاتی تو اس کا اثر بھی خلیفہ کے دل پر ہوتا اور بسا اوقات اسی اثر کی وجہ سے مجلس بھی درہم برہم ہو جاتی تھی۔

ایک دفعہ اسی طرح محفل جمی ہوئی تھی، ابوالعتاہیہ نظم پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"اے خلیفہ! خدا کرے تو ہمیشہ بلند و بالا محلات کے زیر سایہ رہے۔ ہر قسم کی نعمتیں صبح و شام تیرے پاس آئیں اور تو ان سے فائدہ اُٹھائے۔"

خلیفہ بڑی دلچسپی اور شوق سے نظم سن رہا تھا یکایک ابوالعتاہیہ نے یہ اشعار پڑھے۔

"لیکن جب نزع کا وقت آ پہنچے گا اور سانس سینے کے اندر گڑگڑائے گا، اس

وقت تجھے اس بات کا علم ہوگا کہ اب تک تو اندھیرے اور دھوکے میں رہا۔"

یہ اشعار سنتے ہی ہارون کی ہچکی بندھ گئی اور بے اختیار رونے لگا۔ فضل بن یحیٰی نے رشید کی یہ حالت دیکھ کر ابوالعتاہیہ سے کہا:

"میں نے تجھے اس لئے بلایا تھا کہ تو امیر المومنین کو خوش کرے لیکن اُلٹا تُو نے انھیں رُلانا شروع کر دیا۔"

لیکن ہارون الرشید نے فضل بن یحیٰی کو خاموش کر دیا اور کہا:

"ابو لعتاہیہ کو کچھ نہ کہو، یہ جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ اس نے ہمارے چچا کا حال دیکھا ہوا ہے یہ نہیں چاہتا کہ ہمارا بھی وہی حال ہو۔"

ہارون الرشید کے عہد کا بغداد

بغداد کی بنا ہارون الرشید کے دادا منصور نے ڈالی تھی اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ اسی کے عہد میں بغداد نے ایک عظیم الشان شہر کی حیثیت حاصل کر لی تھی، لیکن جو شان و شوکت اور عروج اس شہر کو ہارون الرشید کے زمانے میں حاصل ہوا، وہ نہ اسے پہلے حاصل تھا اور نہ ماسوائے مامون کے آئندہ نصیب ہوا۔

عمارات کے لحاظ سے بغداد اس وقت دنیا کے تمام شہروں سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ یہاں بڑے بڑے محلات تعمیر کئے گئے تھے، جن میں سے بعض پر کروڑوں دینار خرچ ہوئے تھے۔ انجینیروں نے ان کے بنانے میں قواعد، مضبوطی اور محل وقوع کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ بغداد کی مشرقی جانب کے محلات کو مغربی جانب کے محلات سے ایک پل کے ذریعے سے ملایا گیا تھا۔ مشرقی جانب برامکہ کے محلات، بڑے بڑے بازار، بلند و بالا مساجد اور حمام بنے ہوئے تھے اور مغربی جانب خلیفہ کے محلات واقع تھے۔ جن کی خوبصورتی اور وسعت دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ بغداد کے اردگرد جو بستیاں بنائی گئی تھیں، عمارات کی وسعت کی وجہ سے وہ آپس میں مل گئی تھیں۔ یہ سب علاقہ بغداد ہی میں شمار ہوتا تھا۔ ایسی بستیاں دجلہ کے دونوں جانب چالیس کی تعداد میں تھیں۔

بغداد کی شان و شوکت کا حال سن کر لوگ سینکڑوں میل سے اس کی طرف کھنچے

چلے آتے تھے، یہاں کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اور شہر نے ایک زبردست تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ خراسان، ماوراالنہر، ہندوستان، چین، شام اور جزیرے سے تجارتی قافلے کثرت سے یہاں آتے رہتے تھے۔ راستے پُرامن تھے اور قافلوں کو راہ میں ڈاکہ زنی کا مطلق خطرہ نہ ہوتا تھا۔

اس وقت دولت و ثروت کے لحاظ سے بھی کوئی شہر بغداد کا ہم پلّہ نہ تھا۔ سلطنت اسلامیہ کے تمام صوبوں کا خراج، جو صوبوں کی ضروریات سے بچ جاتا تھا، جمع ہو کر خلیفہ کے پاس بغداد میں آتا تھا۔ اس خراج کا اندازہ مؤرخین نے چالیس کروڑ درہم لگایا ہے۔ یہ سب مال بیت المال میں داخل ہوتا تھا جہاں سے خلیفہ اپنے وزیروں، وظیفہ خواروں اور خدام کو تنخواہیں دیتا تھا۔ باقی مال خلیفہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتا خرچ کرتا تھا۔

سخاوت کے لحاظ سے ہارون الرشید دوسرے سب خلفاء بنی عباس سے ممتاز تھا۔ قصیدہ خوانوں، شاعروں، غریبوں اور حاجت مندوں پر بے دریغ مال خرچ کرتا تھا۔ اس کے نقشِ قدم پر اس کے امیر و وزیر، رئیس اور لشکر کے سردار بھی چلتے تھے اور سخاوت کا بازار پورے طور پر گرم تھا۔ تاریخ کے صفحات اس زمانے کی سخاوت کے قصوں سے پُر ہیں۔ اس طرح نہ صرف غرباء کی زندگی بڑے آرام سے گزرتی تھی بلکہ یہ عظیم الشان فائدہ بھی حاصل ہوتا تھا کہ بے شمار مال لوگوں کے ہاتھوں میں چکّر لگاتا رہتا تھا، جس کی وجہ سے تجارت میں بڑی ترقی ہو گئی تھی۔ لوگوں کی ضروریات بخوبی پوری ہو جاتی تھیں۔ دولت کا ایک سیلاب تھا جو ہارون کے عہد میں بغداد میں بہ رہا تھا اور ہر چھوٹا بڑا اس میں سے حصّہ لے رہا تھا۔ دولت و

ثروت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کی طبیعتیں لہو و لعب کی طرف مائل ہوگئیں اور ہر طرف عیش و نشاط اور راگ رنگ کی محفلیں منعقد ہونے لگیں۔

علم کے لحاظ سے بھی بغداد دنیائے دولتِ اسلامیہ کا منبع اور طلاب علم کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے کشاں کشاں بغداد کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ اُس نے علوم دینیہ اور علوم دنیویہ دونوں قسم کے علوم کی ایک زبردست یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ یہاں بڑے بڑے محدثین قراء، فقہاء، لغت، آداب العرب اور صرف و نحو کے امام موجود تھے جنھوں نے بڑی بڑی مسجدوں میں درس کے سلسلے قائم کر رکھے تھے۔ ان مدارس میں ہزاروں لوگ علم حاصل کرتے تھے۔ جب تک کوئی شخص بغداد آکر علم حاصل نہ کرتا تھا اور یہاں کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرتا تھا۔ اس وقت تک نہ اسے شہرت نصیب ہوتی تھی اور نہ ہی اُسے علماء کے زمرے میں شمار کیا جاتا تھا۔

بغداد کے تمام علماء بڑے آرام اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ ہارون اور برامکہ نے ان کے لئے بہت بڑے بڑے گزارے مقرر کر رکھے تھے۔ ہارون علماء کی بے حد توقیر و تعظیم کرتا تھا اور انھیں بیش قرار انعام و اکرام سے نوازتا رہتا تھا۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے بہ آسانی مل سکتا ہے۔

ابو معاویہ ضریر، جو اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے ہارون کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھانے سے پہلے کسی شخص نے میرے ہاتھ دھلائے، لیکن اندھیرے کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ کس شخص نے میرے ہاتھ دھلائے۔ مجھے خیال تھا کہ کسی غلام نے دھلائے ہوں گے۔

جب کھانے کا سلسلہ ختم ہو چکا تو ہارون نے مجھ سے پُوچھا :
" اسے ابو معاویہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے ہاتھ کس نے دُھلائے تھے؟"

میں نے جواب دیا " امیرالمومنین! مجھے تو پتہ نہیں "۔

ہارون نے کہا " میں نے دُھلائے تھے "۔

میں نے پُوچھا " امیرالمومنین! کیا آپ نے یہ کام علم کی تعظیم کی خاطر کیا؟"

ہارون نے جواب دیا " ہاں "۔

ہارون علوم و فنون کا بے حد دلدادہ تھا اور جس شخص کے متعلق سُنتا کہ اُسے علم و فن میں یدِ طُولیٰ حاصل ہے فوراً اُسے اپنے دربار میں بُلا لیتا اور بیش قرار تنخواہ مقرر کر دیتا تھا۔

جب اُس نے بلند و بالا اور رفیع الشان محلات بنانے کا ارادہ کیا تو ملک کے ہر حصے سے چُن چُن کر اصحابِ فن بُلائے، جن کے سپرد محلّات کی تزئین، بیل بوٹے اور نقش و نگار بنانے کا کام کیا۔

اسے راگ سے بے حد دلچسپی تھی۔ اس غرض کے لئے اُس نے مُلک کے بہترین مغنّیوں کی خدمات حاصل کیں اور بے شمار رقم اُن پر صرف کی۔

اسے اشعار سننے کا بھی بے حد شوق تھا۔ اس غرض کے لئے اُس نے مملکت کے بہترین شاعروں کو اپنے دربار میں جمع کر لیا اور لاکھوں درہم ان کو انعام و اکرام اور تنخواہ دینے میں خرچ کئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے زمانے میں عربی شاعری کو بے حد عروج حاصل ہوا۔

اُس نے اپنے گرد فلاسفہ، قضاۃ، علما اور منطقیوں کو جمع کیا جن سے وہ اکثر بحث مباحثہ اور علمی بات چیت کیا کرتا تھا اور ان کی تنخواہوں پہ بے شمار رقم خرچ کرتا تھا۔ بیسیوں اطبا کو اُس نے اپنے دربار میں بُلایا اور بعض کو تو ہندوستان سے منگوایا۔

اس طرح بغداد اہل علم و فن کا ملجا و ماویٰ اور علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔

ہارون الرشید کا عہدِ حکومت

ہارون الرشید کے عہد پر تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے عادات وخصائل میں بہت بڑا فرق تھا۔ امویوں نے رسوم و رواج اور اپنی عادات وخصائل کو خالص عربی رنگ میں ڈھالا ہوا تھا۔ عباسیوں نے آکر ان کو بالکل بدل ڈالا۔ مثال کے طور پر نوروز کا معاملہ ہے۔ 'نوروز' قدیم زمانے سے ایرانیوں کا تہوار تھا اور ان لوگوں میں یہ عید کا دن شمار ہوتا تھا۔ عہدِ اموی میں یہ دن کبھی بھی نہیں منایا گیا، لیکن عباسیوں نے اسے قومی تہوار قرار دیا۔ اس روز کے لئے عید کی طرح تیاریاں کی جاتی تھیں۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دئے جاتے تھے۔ قصائد پڑھے جاتے تھے۔ خلفاء بڑی شان سے دربار منعقد کرتے تھے اور درباری تہنیت اور مبارک باد پیش کرتے تھے۔ یہی حال دوسری رسوم کا تھا۔

اموی عہد میں امیر اور غریب کے درمیان لباس کے معاملے میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ جس قسم کا لباس امیر پہنتے تھے، اسی قسم کا لباس غریب بھی پہنتے تھے لیکن عباسی عہد میں ایرانی اثرات کے غالب ہو جانے کی وجہ سے امراء و غرباء کے لباسوں میں تفریق ہونے لگی۔ پگڑی باندھنے کا طریقہ بھی بالکل ایرانی تھا، سر پر ٹوپی رکھ کر اس پر پگڑی باندھی جاتی تھی۔ مزید برآں ہر طبقے کی پگڑی باندھنے کی طرز علیحدہ ہوتی تھی خلفا کی طرز علیحدہ ہوتی تھی، فقہاء کی الگ۔ عام لوگوں اور اعراب کے پگڑی باندھنے کے طریقے میں بھی فرق تھا۔ اسی طرح

باقی لباس کا معاملہ تھا۔ قضاۃ کا لباس علیحدہ ہوتا تھا تو اہلِ مقدمہ کا علیحدہ۔ پولیس کے سپاہیوں کا لباس ان دونوں سے علیحدہ۔ سلطنت کے باقی عہدیداروں کا بھی یہی حال تھا۔ ہر عہدے دار کا حسبِ مرتبہ علیحدہ لباس ہوتا تھا۔

اموی خلفاء جب انعام و اکرام دیتے تھے تو ان کے انعام و اکرام اونٹوں یا زیورات کی شکل میں ہوتے تھے، لیکن جب ان کی جگہ عباسیوں نے لی تو انعام و اکرام دینے میں بھی انھوں نے اپنی طرز امویوں سے بالکل علیحدہ رکھی۔ وہ لوگوں کو درہم و دینار، عمدہ عمدہ لباس اور گھوڑوں کی شکل میں نوازتے تھے۔ اس طرح جہاں امویوں نے اپنے عہد میں عربی خصوصیات کو پورے طور پر قائم رکھا تھا، عباسیوں نے آکر انھیں بالکل تبدیل کر ڈالا اور مختلف وجوہات کی بنا پر جن کا ہم آگے چل کر ذکر کریں گے فارسی تہذیب و تمدن کو اپنا لیا۔

مؤلف کتاب الاغانی ناہض بن شولہ کی ایک حکایت بیان کرتا ہے۔ ناہض عہدِ عباسی کا ایک بدو شاعر تھا۔ ایک روز وہ حلب میں ایک تقریب میں شامل ہوا۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا، جب اس نے شادی کا سامان اور قسم قسم کے بھڑکیلے لباس، رنگا رنگ کے کھانے، قسم قسم کی شرابیں اور ایرانی آلاتِ طرب دیکھے تو اس کی عقل چکرا گئی اور وہ بالکل مبہوت ہو کر ٹکٹکی باندھے یہ سارا انتظام دیکھتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی حرکات و سکنات سے لوگوں کو ہنسنے اور مذاق کرنے کا سامان بہم پہنچا دیا۔ اگر وہ بغداد میں کسی شادی کی محفل میں شرکت کرتا تو یقیناً حلب سے کہیں زیادہ عیش و عشرت کے سامان اس کی نگاہوں کے سامنے آتے۔

خلفاء عباسیہ کا شروع میں یہ حال نہ تھا۔ ابو العباس سفاح اور منصور عیش و عشرت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً منصور تو اس معاملے میں بہت سخت تھا۔ اُس نے شراب کا ایک قطرہ بھی کبھی نہیں چکھا۔ کسی شاعر، ادیب یا مداح کو انعام واکرام دینے میں اسراف سے کام نہیں لیا۔ اپنی اولاد کو جب وہ ایسا کرتے دیکھتا تھا تو سختی کے ساتھ منع کرتا تھا۔ بھڑکیلے اور قیمتی کپڑے اس نے کبھی زیب تن نہیں کئے۔ ہمیشہ معمولی کپڑے پہنے۔ دستر خوان ہمیشہ سادہ ہوتا تھا۔ دوسری باتوں میں بھی وہ بہت کفایت شعار تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب اُس نے وفات پائی۔ تو وہ خزانے میں ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار اور ساٹھ کروڑ درہم چھوڑ گیا، جنھیں مہدی نے بے دردی سے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

جس قدر منصور کفایت شعار تھا، اسی قدر مہدی فضول خرچ تھا۔ سینکڑوں شعراء، ادباء اور مغنیوں کو اس نے اپنے دربار میں اکٹھا کر رکھا تھا اور انھیں عطیے اور تحفے تحائف دیتا رہتا تھا۔ اسی طرح کھانے پینے میں بھی بے حد رقم خرچ کر دیتا تھا جب وہ حج کے لئے مکہ معظمہ جاتا تھا تو اُس کے لئے راستہ میں صرف کثیر سے برف مہیا کی جاتی تھی۔

ہارون کے زمانہ میں تو اسراف کی حد ہو چکی تھی۔ اس کے کئی اسباب تھے سب سے بڑا سبب تو دولت کی فراوانی تھا۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ جس قوم میں دولت کی افراط ہو وہاں عیش وعشرت اور اسراف راہ پا لیتے ہیں۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ہارون کے عہد میں مملکت کی سالانہ آمدنی سات کروڑ ایک لاکھ پچاس ہزار دینار تھی۔ جس مملکت کی آمدنی اتنی زبردست ہو، وہاں کے باشندوں

کا عیش و آرام سے زندگی گزارنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دوسری بات یہ کہ ہارون کے زمانے میں ایرانی اثرات اور تہذیب و تمدن نے عربی تہذیب و تمدن پر غلبہ پالیا تھا۔ برامکہ کی وجہ سے یہ اثرات اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ ایرانی قدیم زمانے سے لہو و لعب، راگ رنگ کی محفلوں اور شراب کے شوقین تھے۔ جب اُنھوں نے ہارون اور مامون کے زمانے میں سلطنت کے بڑے بڑے عہدے حاصل کئے اور ان کا اقتدار تمام مملکت پر قائم ہو گیا تو اُنھوں نے اپنی اسی قدیم تہذیب کو، جو عربی غلبے کی وجہ سے نابود ہو چکی تھی، دوبارہ زندہ کیا اور جہاں سلطنت کا تمام کاروبار ایرانی نظام حکومت کے مطابق ترتیب دیا، وہیں لہو و لعب اور راگ رنگ کی محفلوں کو بھی ازسرِ نو زندگی بخشی۔

ہارون نے عجیب متضاد طبیعت پائی تھی۔ وہ کثرت سے علماء سے وعظ و نصیحت کی باتیں سنتا تھا اور ان مواعظ کا اس پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی لیکن ساتھ ہی راگ رنگ کا بے حد شوقین تھا۔ جہاں اس میں تقویٰ اور پرہیزگاری پائی جاتی تھی وہاں لہو و لعب کا فطری میلان بھی تھا۔ جہاں ایک طرف اس کے دینی جذبات بہت پختہ تھے اور وہ کثرت سے نمازیں پڑھتا تھا وہاں وہ راگ رنگ کی محفلیں بھی بہت ذوق و شوق سے منعقد کرتا تھا۔ جن میں اس کے وزراء مغنیّ اور شعراء شریک ہوا کرتے تھے۔ جہاں وہ اپنے ندیموں کی بے سروپا باتوں پے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا تھا۔ وہاں ابوالعتاہیہ جیسے شاعروں کے اس قسم کے اشعار سنتا تھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے بھی لگتا تھا۔

کیف اصلاح قلوب　　　انما ھن قروح
سیصیر المرء یوما　　　جسدا ما فیہ روح
بین عینی کل حی　　　علم الموت یلوح
کلنا فی غفلۃ والموت یغدو ویروح

(کیا گناہوں سے توبہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں ؟ دلوں کی اصلاح کس طرح ہوگی ؟ وہ تو پھوڑے بن چکے ہیں۔ عنقریب آدمی کا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔ ہر زندہ شخص اپنی آنکھوں کے سامنے موت کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھنے لگا۔ ہم سب غفلت میں ہیں لیکن موت صبح و شام چکر کاٹتی رہتی ہے)

ہارون جب برامکہ سے راضی ہوتا ہے تو سلطنت کے کل مناصب ان کے سپرد کر دیتا ہے۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے ہاتھ میں سلطنت کے کل اختیارات دے دیتا ہے کہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے، لیکن جب ان پر ناراض ہوتا ہے اور حاسدین اس کے جذبات کو بھڑکا دیتے ہیں تو وہ ان کو اس بُری طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ایک طرف اس کے دربار میں امام ابو یوسف، ابن سماک اور قاضی ابو البختری جیسے عالم فاضل موجود ہوتے ہیں جن کا خلیفہ پر زبردست اثر ہے، دوسری طرف مشہور مغنی ابراہیم موصلی بھی ہے۔ مغنیوں اور شعرا پر بے دریغ مال لٹانے میں وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔

ہارون الرشید کے اوصاف کی صحیح تصویر مؤلف کتاب الاغانی ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

"ہارون الرشید وعظ و نصیحت کے وقت سب سے زیادہ آنسو بہانے والا اور غیض و غضب کے وقت شدید ترین ظلم کرنے والا تھا۔"

جہاں کتاب الاغانی میں ہارون کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے جو عیش و طرب اور لہو و لعب میں بسر ہوتی تھی وہاں ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں اس پہلو کو اُجاگر کیا ہے جو تقویٰ و طہارت کا رنگ رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہمیں ہارون کی زندگی کے حقیقی خد و خال معلوم کرنے ہوں تو اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا، کسی ایک پہلو پر نظر دوڑا کر اس کی زندگی کے صحیح خد و خال متعین نہیں کئے جا سکتے۔

قاضی ابوالبختری کہتے ہیں کہ ایک دن میں ہارون کے دربار میں حاضر ہوا۔ ہارون نے خادم سے برف کا ٹھنڈا پانی مانگا۔ اتفاق سے اس روز خزانے میں برف نہیں تھی۔ خادم نے معذرت کی اور بغیر برف کے پانی حاضر کر دیا۔ ہارون نے غصے میں آ کر گلاس غلام کے مُنہ پر دے مارا۔ میں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔ خلیفہ نے جواب دیا "کہو کیا کہنا چاہتے ہو" میں نے عرض کیا "امیر المومنین! بنی امیہ کی حکومت کا زوال آپ کے سامنے ہے۔ دُنیا فانی ہے اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔ دانائی اور عقل مندی اسی بات میں ہے کہ آپ اپنے آپ کو ناز و نعم کا عادی نہ بنائیں۔ بلکہ جو کچھ مل جائے وہی استعمال کر لیا کریں۔ اگر لذیذ کھانا مل جائے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر سادہ کھانا ہو تو وہ بھی بڑی خوشی سے کھا لیا کریں۔ اگر وقت پر قیمتی لباس میسر آ جائے تو بہت ہی اچھا ہے لیکن اگر کسی وقت قیمتی لباس میسر نہ آ سکے تو سادہ لباس زیب تن

کرنے میں کوئی عار نہیں۔ اب اگر برف کا ٹھنڈا پانی میسر نہ آسکا تو بغیر برف کا پانی خواہ وہ گرم ہی کیوں نہ ہوتا پینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔"

یہ سن کر ہارون نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے جھڑکا اور کہنے لگا "جو نصیحت تم نے مجھے اس وقت کی ہے میں اس پر عمل کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہوں۔ اگر خدا نے مجھے ایک نعمت سے سرفراز کیا ہے تو میں اس سے فائدہ کیوں نہ حاصل کروں؟"

مؤرخین میں اس امر پر کافی بحث ہوئی ہے کہ ہارون کے زمانے میں جو شراب استعمال کی جاتی تھی اور جسے ہارون اور اس کے وزراء اور امراء بھی بڑی کثرت سے پیتے تھے وہ حقیقی معنوں میں شراب ہوتی تھی یا نہیں۔ ابن خلدون کی یہ رائے ہے کہ عباسی خلفاء دراصل نبیذ پیتے تھے جو شراب کے دائرے میں نہیں آتی۔ نبیذ اور اصلی شراب میں بہت بڑا فرق ہے۔

عرب شراب کثرت سے پیتے تھے۔ ان کے ہاں کئی قسم کی شرابیں استعمال کی جاتی تھیں۔ ان کی ہمسایہ قومیں بھی شرابیں بنایا کرتی تھیں لیکن وہ اپنے اثر میں عربوں کی بنائی ہوئی شرابوں سے کم درجہ کی ہوتی تھیں۔ اہلِ شام ایک شراب بنایا کرتے تھے جو شہد میں ملی ہوتی تھی۔ اس کا نام "درساطون" تھا، لیکن اہل حجاز اس قسم کی شراب سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی طرح بعض امویوں نے شراب بنائی تھی جس کا نام "بتعجہ" تھا۔ جب مملکت اسلامیہ میں دولت کی ریل پیل ہوئی اور بے فکری کا دور شروع ہوا تو اور چیزوں کے ساتھ یہ شرابیں بھی مسلمانوں کے استعمال میں آنے لگیں۔ جب عباسیوں کا دور آیا تو انھوں نے ان کی تیاری میں جدت سے کام لینا شروع کیا اور مجالس میں کثرت سے ان کا استعمال ہونے لگا۔

فقہاء میں ان شرابوں کے حلال یا حرام ہونے میں بہت زبردست اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض نے ان کو قطعاً حرام قرار دیا لیکن بعض نے استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس اختلاف نے پوری شدت صحابہ کے عہد کے آخر میں، جب کہ امویوں کا زمانہ تھا، اختیار کی۔ فقہاء کے مابین یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ آیا نبیذ حلال ہے یا حرام اور اگر حلال ہے تو کس مقدار تک۔

اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس اختلاف کے نقصانات کو محسوس کیا اور تمام بلاد و امصار میں نبیذ کے حرام ہونے کا حکم بھیج دیا۔ جب آئمہ کا زمانہ آیا تو آئمہ ثلاثہ حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل نے اس کے حرام ہونے کا فتوے دے دیا۔ انھوں نے لفظ "خمر" (جس کی تحریم قرآن کریم میں آئی تھی) کا اطلاق تمام قسم کی نشہ آور نبیذوں پر کیا جو کھجور، کشمش، جو، گیہوں اور شہد سے تیار کی جاتی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ تمام خمریات ہیں اس لئے ان کا پینا حرام ہے۔

ان تینوں اماموں کے برعکس، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے "خمر" کے لفظ کو لغوی معنوں میں لیتے ہوئے اس کا اطلاق صرف انگور کے پکے ہوئے شیرے پر کیا۔ اور شراب کی بعض قسموں مثلاً کھجور اور کشمش کی نبیذ کو جائز قرار دیا، بشرطیکہ اسے بہت ہلکی آگ میں تھوڑی دیر تک پکایا گیا ہو، اور صرف اتنا پیا جائے جس سے نشہ نہ ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید میں عراق کے اکثر فقہاء نے بھی شراب کی بعض قسموں کو جائز قرار دے دیا۔ اسی وجہ سے عراق کے لوگ نبیذ پینے میں دوسرے تمام اسلامی ملکوں کے لوگوں سے آگے بڑھ گئے۔

عباسیوں کا مستقر عراق ہی تھا اس لئے اگر ان کے زمانے میں شراب کا استعمال بے حد بڑھ گیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہارون الرشید بھی ایسی شراب کثرت سے پیا کرتا تھا جس میں نشہ نہ ہوتا تھا۔ وہ شرابیں جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا ہو۔ تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہیں۔ لیکن اس نرم روی سے لوگوں میں جرأت پیدا ہوئی اور وہ ایسی شرابیں بھی استعمال کرنے لگے جن کے پینے سے نشہ ہو جاتا تھا اور جن کو فقہاء نے بالاتفاق حرام قرار دیا ہوا تھا۔

ملک کے دوسرے امراء نے جب خلفاء کو اس قسم کی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے دیکھا تو انھوں نے بھی ان کی تقلید کرنی شروع کر دی اور ان کی مجالس میں بھی وہی سماں نظر آنے لگا جو خلفاء اور ان کے وزیروں کی مجالس کا ہوتا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لہو و لعب میں امراء، خلفاء اور وزراء سے بھی بڑھ گئے تھے۔ کیوں کہ خلفاء کی مجالس میں وقار اور شاہی حشمت کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا، لیکن دوسرے امراء کے ہاں یہ بات نہیں تھی، وہ آزادی سے جو کچھ چاہتے تھے کرتے تھے۔

ابو العتاہیہ بیان کرتا ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کے ایک مغنی مخارق نے میری دعوت کی۔ میں اس کے مکان پر گیا۔ اس کا مکان نہایت آراستہ پیراستہ تھا۔ زمین پر بہت نفیس فرش بچھا تھا۔ میرے پہنچنے پر اس نے خادموں کو کھانا لانے کا حکم دیا، چنانچہ ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ میدے کی روٹیاں تھیں اور کئی قسم کے اعلیٰ سالن تھے۔ کھانا کھانے کے بعد بھنی ہوئی مچھلی لائی گئی۔ مچھلی کے بعد دسترخوان پر مٹھائی آئی، جب ہم نے کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھلے لئے تو پھل میوے اور مختلف قسم کے مشروبات لائے گئے

اس عہد کی مجالس کی صحیح کیفیت کا اندازہ "کتاب الاغانی" اور اس زمانے کے شعراء کے دیوانوں کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

بے فکری کی وجہ سے امراء میں نرد اور شطرنج کھیلنے کا رواج ہو گیا تھا۔ کبوتر اڑانے کے مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے جن کی وجہ سے کبوتروں کی قیمتیں بے حد چڑھ گئی تھیں۔ مرغوں اور کتوں کی لڑائیاں بڑی شان سے منعقد ہوا کرتی تھیں۔ نقش و نگار اور تصاویر بنانے کا فن بے حد ترقی کر گیا تھا۔ شراب کے جاموں پر مختلف جانوروں کی تصاویر بنی ہوتی تھیں۔ اس کی تصدیق "بشار" اور "ابونواس" کے اشعار سے ہوتی ہے۔ رقص کے فن نے بھی بے حد ترقی کر لی تھی۔ بعض گانے والیاں رقص کا بھی بہترین مظاہرہ کیا کرتی تھیں۔ تمام شہروں میں پر فضا باغات موجود تھے، جن کی نگہداشت کی طرف کافی توجہ دی جاتی تھی اور قسم قسم کے پھول ان میں اُگائے جاتے تھے، جن سے ان کی خوب صورتی دوبالا ہو جاتی تھی۔ لوگ باغات میں سیر کرنے کے بے حد شوقین تھے اور اکثر محفلیں باغوں میں ہی منعقد ہوا کرتی تھیں۔

غرض کہ اس زمانے میں عراق پر ایک بہار آئی ہوئی تھی اور ہر جانب مسرت اور شادمانی کے چشمے پھوٹ رہے تھے۔ وہ خطۂ زمین جو امویوں کے عہد میں بالکل بنجر تھا۔ عباسیوں کے عہد میں نہ صرف سرسبز ہو چکا تھا بلکہ اس کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھنے کے لئے دنیا کے کناروں سے لوگ چلے آ رہے تھے۔

تاہم عراق کا جو حال اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ملک کے تمام باشندے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ عیش و عشرت کا مظاہرہ

مطلق واسطہ نہ تھا اور وہ دوسری اطراف سے آنکھیں بند کئے، اپنے مخصوص کام کی تکمیل میں مصروف تھے۔ یہ جماعت ادباء، مصنفین، مترجمین، مفکرین، اور فلسفیوں کی تھی۔ یہ لوگ بڑے انہماک سے صرف اس کام میں مشغول تھے، جسے پورا کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل یورپ میں پیرس کو ہے۔ ہر جانب شراب، راگ رنگ اور لہو ولعب کا تذکرہ تھا۔ اس لئے پاکباز، زاہد اور متقی لوگ یہاں رہنے کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے تھے۔ ایک شخص کا مقولہ تھا کہ بغداد متقیوں کے لئے تنگ ہے، کسی مومن کو اس میں رہائش اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔

بغداد کی گلیاں ان لوگوں کے علاوہ غرباء کے لئے بھی تنگ تھیں، کیوں کہ دولت وثروت کی وجہ سے ہر چیز کے بھاؤ آسمان تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور غرباء میں اتنے مہنگے داموں چیزیں خریدنے کی سکت نہ تھی۔

بغداد کی اس حالت کو دیکھ کر یہاں ایک جماعت ایسی بھی بن گئی تھی جو دولت وثروت کے اس بے جا مظاہرے کو روکنے کا عزم کئے ہوئے تھی۔ یہ جماعت لوگوں کو زہد وتقویٰ کی طرف بلاتی تھی۔ جہاں ابو نواس اپنے اشعار سے لہو ولعب کی آگ بھڑکاتا تھا۔ وہاں ابو العتاہیہ اپنے اشعار میں پرہیزگاری کا وعظ سناتا تھا جہاں ابو نواس کہتا تھا:

تمتع من شباب لیس یبقی

وصل بعری الغبوق عری الصبوح

(جوانی سے جتنا فائدہ اُٹھا سکتا ہے اُٹھا لے، کیوں کہ بالآخر وہ باقی نہیں رہے گی، اور نشے کا لطف اُٹھانے کے لئے شام کی شراب کے ساتھ صبح کی شراب ملا لے)

وہاں ابوالعتاہیہ اس طرح زہد و اتقا کی تلقین کرتا تھا :

رغیف خبز یابس   تاکلہ فی زاویۃ

وکوز ماء بارد   تشربہ من صافیۃ

وغرفۃ ضیقۃ   نفسک فیھا خالیۃ

او مسجد بمعزل   عن الوریٰ فی ناحیہ

معتبرا بمن مضی   من القرون الخالیہ

خیر من الساعات فی   فیئ القصور العالیہ

(سوکھی روٹی کا ٹکڑا، جسے تو ایک کونے میں بیٹھ کر کھائے، ٹھنڈے پانی کا پیالہ، جسے تو پیئے، ایک تنگ کمرہ جس میں تو یکہ و تنہا بیٹھا ہو یا ایک مسجد جس میں تو تمام دنیا سے علیحدہ بیٹھ کر، ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑ رہا ہو جو پرانے زمانوں میں گزر چکے ہیں، ان چند گھڑیوں کے سائے سے بہتر ہے جو بلند و بالا محلات کے نیچے بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے)

اموال کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں علم و فن کی ترویج بڑی تیزی سے ہونے لگی۔ شاعری کا بازار گرم ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے چشمے پھوٹنے لگے۔ مؤلف کتاب الاغانی کہتا ہے کہ مشہور مغنی ابراہیم موصلی نے ہارون سے جو رقمیں وصول کیں وہ دو لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھیں۔ جب ایک مغنی پر اس قدر زر بہ دست رقم خرچ کی جا سکتی ہے، تو نہ معلوم اس کے سوا بغداد میں اور جو ہزاروں ادبا، شعراء اور

مغنی ہوں گے، ان پر کس قدر رقم خرچ کی گئی ہو گی۔ اس طرح علوم و فنون کی جو گرم بازاری ہوئی۔ اُس کا سہرا کلی طور پر ہارون الرشید کے سر بندھتا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے زمانے میں فلسفے کی کئی مشہور پُرانی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس اہم کام کی طرف اُس نے اپنی پوری توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے وزراء نے بھی کتابوں کے ترجموں کی طرف اپنی توجہات مبذول کیں۔ اس طرح یونانی اور فارسی اسالیب فکر کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی اور اُس کا یہ کارنامہ قدیم و جدید تہذیبوں کو ملانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ادب، صرف و نحو اور فقہ کو بھی ہارون کے زمانہ میں بہت ترویج حاصل ہوئی جہاں نحو کے بارے میں بصری اور کوفی دو گروہ بن گئے، وہاں فقہ نے بھی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مذاہب کی صورت اختیار کر لی۔

کیمیا نے بھی اس کے عہد میں بے حد ترقی کی۔ جہاں تک مصوری کا تعلق ہے اس کے عہد میں جو محلات تعمیر کئے گئے۔ ان میں تصاویر بھی بنائی گئی تھیں۔

موسیقی کے فن نے تو اس کے عہد میں انتہائی عروج حاصل کیا۔ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن نے ہارون کے عہد میں کس قدر ترقی کر لی تھی۔ اور خود ہارون کو اس میں کس قدر شغف تھا۔

علوم و فنون کی یہ گرم بازاری محض ہارون کی وجہ سے نہ تھی۔ اس کے امراء و وزراء بھی ان کی ترویج میں برابر کے شریک تھے۔ اس کی بیوی زبیدہ نے کرخ میں اپنے لئے ایک بلند و بالا محل بنوایا جو اس وقت کے فن تعمیر کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ تھا۔ زبیدہ نے حاجیوں کی بہبودی کے لئے بھی بہت بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ مکہ معظمہ کے راستے

میں جابجا سرائیں بنوائیں، جہاں مسافر آرام کرتے تھے۔ اسی طرح ایک نہر بنوائی۔ جس پر کروڑوں درہم خرچ آئے اور اسی کے نام پر اس کا نام "نہر زبیدہ" رکھا گیا۔

برامکہ نے علوم و فنون کی ترویج میں جو کام کیا وہ تو رہتی دُنیا تک ان کی یادگار رہے گا۔ نہ صرف اُنھوں نے محلات بنوائے، بلکہ علوم و فنون کی توسیع میں بھی بہت بڑا کام کیا۔ ان کی علم پروری کا حال سُن کر ہر چہار جانب سے علماء، ادبا اور شعرا ان کی طرف آنے لگے اور بغداد نے ایک عظیم الشان دارالعلوم کی حیثیت حاصل کر لی۔

جس طرح ہارون الرشید علم و ادب کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا، اسی طرح برامکہ بھی اپنے ارد گرد علماء، ادبا اور شعراء کو جمع رکھتے تھے۔ اکثر علماء اور ادباء کے باہم مباحثے ہوا کرتے تھے جن سے علوم کے نئے نئے دروازے کُھلتے تھے۔ برامکہ ان علماء و ادبا پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اطباء پر تو برامکہ کی خاص عنایات تھیں اور انھوں نے ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔

ہمیں یہ بات بھولنی نہیں چاہیئے کہ برامکہ فارسی الاصل تھے۔ اسی لیئے وہ ایرانی تہذیب کے زبردست دلدادہ اور فارسی ثقافت کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ سلطنت کا تمام نظام اُنھوں نے ایرانی سانچوں میں ڈھالا ہوا تھا۔ فضل بن سہل کو (جو بعد میں "ذوالریاستین" کے لقب سے ملقب ہوا اور امین کا وزیر اعظم بنا) یحیٰی برمکی نے ایرانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرنے پر مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی لیاقت اور عمدگی سے کیا۔ یحیٰی اس کی لیاقت سے بہت خوش ہوا اور اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ اس پر یحیٰی نے اسے اور اس کے لڑکے کو خراسان بھیج دیا، تاکہ وہ وہاں لوگوں کو علم و حکمت کا سبق دے۔

لیکن برامکہ نے اپنی کوششیں صرف فارسی ثقافت کی ترویج تک ہی محدود نہیں رکھیں بلکہ دوسری ثقافتوں کی ترقی کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ ابن ندیم ذکر کرتا ہے کہ ہیئت کے بارے میں مجسطی کی کتاب کو عربی میں ترجمہ کرانے اور اس کی شرح لکھوانے کا خیال سب سے پہلے یحییٰ برمکی کو ہوا۔ اُس نے علماء کی ایک جماعت اس غرض کے لئے مقرر کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں اور شرح بھی لکھیں۔ جب کتاب یونانی سے ترجمہ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ مطمئن نہ ہوا اور اُس نے 'بیت الحکمۃ' کے دو اور عالموں ابو حسان اور سلم کو دوبارہ اس کی شرح لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُنھوں نے بڑی محنت سے یہ کام کیا اور پہلے علماء کی لکھی ہوئی شرح میں جو خامیاں باقی رہ گئی تھیں، انھیں دُور کیا۔ اسی طرح یحییٰ نے مشہور ہندوستانی طبیب 'منکہ' کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور ایک آدمی کو خاص اس غرض کے لئے ہندوستان روانہ کیا کہ وہ منکہ سے ان جڑی بوٹیوں کا مفصّل حال پوچھ کر آئے جن کا ذکر اس کی کتاب میں تھا۔ منکہ کے نام جو خط اس نے تحریر کیا، اس میں یہ درخواست بھی کی کہ وہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا حال بھی اسے لکھ کر بھیجے۔ چنانچہ منکہ نے تمام جڑی بوٹیوں اور ہندوستان کے مذاہب کا حال مفصل طور پر لکھ کر یحییٰ کو بھیج دیا۔

ہارون نے منکہ کو بعد میں ہندوستان سے بلا کر بغداد کے تمام شفاخانوں کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ہندوستان سے چند اور طبیبوں کو بھی بلا کر اپنے ہاں ملازم رکھا جن کے نام کنکہ، صنجہل، شاناق اور جودر تھے۔ ان ہندی اطباء کی مدد سے سنسکرت کی بعض طبی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

یہ بہت ہی مختصر سا بیان ان علمی، ادبی، ثقافتی اور معاشرتی ترقیوں کا ہے جو

عہد ہارون ہی میں ہوئیں۔ اس کے زمانے میں علوم و فنون کے ہر شعبے میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور بغداد میں علم کا دریا زور شور سے بہنے لگا۔

ہارون نے نہایت دریا دلی کے ساتھ علماء، فضلاء اور ادباء کی قدر دانی کی اور ان لوگوں نے شاہی سرپرستی میں آکر اور معاش کی طرف سے کلی طور پہ بے فکر اپنی زندگیاں ترویج علم اور تدوین کُتب کے لئے وقف کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کا ہر گھر علم و فن کا مرکز بن گیا اور شہر کا ہر چھوٹا بڑا علم کے نشے میں سرشار رہنے لگا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں ایک کتب خانہ نہ ہو اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے کتابیں جمع کرنے کا شوق نہ ہو۔

علوم کی ہر شاخ میں جس قدر ترقی ہارون کے عہد میں ہوئی، اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک پوری کتاب بن جائے۔ اس لئے اس کا نہایت ہی اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ہم یہ سوانح عمری ختم کرتے ہیں۔

تخت نشینی تک کے اہم تاریخی واقعات

سنہ عیسوی	سنہ ہجری	واقعات
۶۲۲ء	۱ھ	ہجرت نبوی
۶۳۲ء	۱۱ھ	نبی کریم صلعم کی وفات
۶۳۲ء تا ۶۶۱ء	۱۱ھ تا ۴۱ھ	خلفاء راشدین کا زمانہ
۶۶۱ء تا ۷۵۰ء	۴۱ھ تا ۱۳۳ھ	خلفاء امویہ کا زمانہ
۶۸۰ء	۶۱ھ	کربلا میں حضرت امام حسین کی شہادت
۶۵۶ء	۳۶ھ	اندلس میں خلافتِ امویہ کی ابتدا
۷۵۰ء تا ۷۵۵ء	۱۳۳ھ تا ۱۳۷ھ	عباسیوں کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کا زمانہ
۷۵۵ء تا ۷۷۵ء	۱۳۷ھ تا ۱۵۹ھ	ہارون الرشید کے دادا منصور کا زمانہ
۷۷۵ء تا ۷۸۵ء	۱۵۹ھ تا ۱۶۹ھ	ہارون الرشید کے والد مہدی کا زمانہ
۷۸۵ء تا ۷۸۶ء	۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ	ہارون الرشید کے بھائی ہادی کا زمانہ
۷۶۳ء تا ۷۶۶ء	۱۴۶ھ یا ۱۴۹ھ	ہارون الرشید کی ولادت
۷۸۰ء	۱۶۴ھ	ملکہ ایرینی کی قسطنطنیہ میں تخت نشینی

۷۸۰ء تا ۷۸۲ء	۱۶۴ھ تا ۱۶۶ھ	ہارون الرشید کا لشکر کے ساتھ روم جانا۔
۷۸۱ء یا ۷۸۲ء	۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ	ہارون الرشید کی زبیدہ کے ساتھ شادی
۴۔اگست ۷۸۵ء	۱۶۹ھ	مہدی کی وفات
۱۷۔ستمبر ۷۸۶ء	۱۷۰ھ	ہادی کی وفات اور ہارون کی تخت نشینی
۱۷۔ستمبر ۷۸۶ء تا ۲۴ مارچ ۸۰۹ء	۱۷۰ھ تا ۱۹۴ھ	ہارون الرشید کا زمانہ
۲۴۔مارچ ۸۰۹ء	۱۹۴ھ	ہارون کی وفات

ماخذ

عربی کتب

تاریخ طبری

مروج الذہب از مسعودی

الفخری از ابن طباطبا

کتاب الاغانی از ابو الفرج اصفہانی

وفیات الاعیان از ابن خلکان

فوات الوفیات حاشیہ ابن خلکان

تاریخ ابن اثیر

تاریخ ابو الفداء

تاریخ ابن خلدون

حدیث الاربعاء از ڈاکٹر طٰہٰ حسین

محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ از خضری

الفہرست از ابن ندیم

دیوان ابو العتاہیہ

دیوان ابو نواس

فائل رسالہ المقتطف

فائل رسالہ الہلال

فائل رسالہ المشرق

دائرۃ المعارف الاسلامیہ از فرید وجدی

العقد الفرید از ابن عبدربہ

نہایۃ الارب از نویری

فائل رسالہ المجمع العلمی دمشق

اخبار العلماء باخبار الحکماء از وزیر جمال الدین

ضحی الاسلام از احمد امین

خطط الشام از محمد کرد علی

(یورپی کتب)

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا

فرنچ انسائیکلو پیڈیا

تاریخ عام (مطبوعہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کمپنی)

تاریخ عام از پروفیسر ولز

تاریخ عرب از ہوار۔ جلد اوّل و دوئم مطبوعہ ۱۹۱۶ء

برامکہ از بوفہ۔ مطبوعہ ۱۹۱۲ء

خلافت کا عروج وزوال از ولیم میور ۔ مطبوعہ ۱۸۹۱ء

منکرین اسلام از کارادی فو

بغداد دولت اسلامیہ میں از اسٹرینج مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۰۰ء

شارلیمان اور ہارون الرشید از شمیدت

شارلیمان اور ہارون الرشید از برٹولڈ

شام اور فرانس کے ابتدائی تعلقات کے اسباب از بربیہ ۱۹۱۹ء

مشرق ومغرب از ایبرسلٹ ۱۹۳۸ء

فرانس پر عربوں کی چڑھائی از رینہ ۱۹۳۸ء

اسلامی نظام از رینہ ۱۹۳۸ء

عربوں میں صید وشکار از لویس میور ۱۹۲۷ء

اسلامی معلومات از ہنری وسون ۱۹۳۲ء

ابراہیم بن مہدی

نویں صدی میں عباسی مسنہ کا اجراء ۱۹۰۹

عربی تہذیب وتمدن گستاف لیبان

انسائیکلو پیڈیا آف سائنز

فرانسیسی ادب میں مشرق کا اثر از مارتینو

نشاۃ اسلامیہ از لامنس

اسلام کے متعلق مقالات از ڈوزی

برامکہ ، تاریخی ناول از اہارب

۲۲۴

بغداد کی راتیں از جیزون وقوزا ۱۹۰۴ء

عربی ادب از گب مطبوعہ کیمبرج

اسلام از ماسیہ

اسلام از مونتہ

۲۵۹-معاصی

VICE-CHANCELLOR

SENATE HALL
LAHORE
PAKISTAN
Phones 4491

۲۵ مئی ۱۹۶۴ء

مکرمی چوہدری صاحب

السلام علیکم۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۶۴ء
وصول ہوا۔

آپ نے ''میری لائبریری'' کے قیام و استحکام سے اردو
کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ
آپ اچھی کتابیں ارزاں قیمت پر مہیا کر کے یہ خدمت
بدستور بجا لاتے رہیں گے۔

فقط
حمید احمد خاں
وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی

''آپ نے ''میری لائبریری'' کے زیر اہتمام جو لٹریچر
عوام کو قوت خرید کے اندر مہیا کیا ہے وہ قابل تحسین
اور صد آفرین ہے۔ میری لائبریری کی پیش کردہ
مطبوعات اردو ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی
ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ ''میری لائبریری''
کے استحکام میں اسی طرح کوشاں رہیں۔ پاکستان
میں روز افزوں تعلیمی معیار کی بلندی کے ساتھ ساتھ
آپ کا ادارہ بھی ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور آپ
اس سے بھی بہتر طریقے سے عوام کی خدمت کر سکیں''۔

بہاولپور ۱۲ اگست ۱۹۶۴ء

یزدانی ملک
کمشنر بہاول پور ڈویژن

مصنف : عمر ابوالنصر

لبنان کے فاضل مورخ ، عربی زبان کے مشہور و معروف ادیب ، عمر ابوالنصر کی تصانیف دنیائے عرب میں بہت مقبول ہیں۔ 'میری لائبریری' میں ان کی تین کتابیں ، الحسین رضؓ ، الزہرا رضؓ ، الہارون رضؓ شائع ہو کر بہت مقبول ہوئی ہیں۔

مترجم : شیخ محمد احمد پانی پتی

ولادت : ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء پانی پت والد (شیخ محمد اسماعیل پانی پتی) علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے ، محمد احمد عربی' فارسی اور انگریزی کی تعلیم مکمل کر کے (۱۹۵۲ء) میدان ادب میں آئے ، ناشرین سے تعلقات کی بنا پر بہت جلد معروف مترجم ثابت ہوئے ، ۹ جنوری (۱۹۶۲ء) وفات کے وقت چونتیس سال کی عمر میں لبنان ، مصر اور شام کے چودہ بلند پایہ ادیبوں کے تیس شاہکار اردو میں منتقل کر چکے تھے۔

☆ ناشر : بشیر احمد چودھری ، اگست ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے ، ۱۹۳۵ء سے اشاعت و فروخت میں مشغول ہیں ، چونکہ معیاری و مفید کتب چھاپنا شعار حیات ہے۔ اس لئے بر صغیر میں اپنے پیشہ میں خاص مقام رکھتے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں مکتبہ 'میری لائبریری' قائم کیا ، اس وقت تک ایک سو کتابیں میری لائبریری کے سلسلہ میں چھپ چکی ہیں ، تقریباً تمام کتابوں کے مجلد ایڈیشن بھی شائع ہوئے ہیں۔ ادب افسانہ ، تاریخ ، نفسیات ، شاعری ، مذہب ، شکار اور دوسرے علوم پر کتابوں کی اشاعت ملک کے بہترین لکھنے والوں کے تعاون اور مشورے سے جاری ہے۔